عِلمُ اللّسان

مولوی احمد سعید صاحب دہلوی

علم اللسان

یعنی

انسان کی ابتدائی۔ درمیانی اور اخیر زبان

مصنفہ

مولوی سیّد احمد صاحب دہلوی مؤلف فرہنگ آصفیہ

حسب فرمائش عزیز احمد صاحب منشی فاضل

سید دربار احمد صاحب نے مطبع محبوب المطابع میں چھپوا کر

دفتر فرہنگ آصفیہ گلی شاہتارہ اجمیری دروازہ دہلی

سے شائع کیا

قیمت ۶ / ر

زبان کا فلسفہ

یعنی

انسان کی ابتدائی درمیانی اور آخیر زبان[1]

اگر ہم اس بیان کو انسان کی ابتدائی حالت سے شروع کریں اور دکھائیں کہ اوّل میں انسان کیا تھا۔ اس کا ڈیل ڈول۔ اس کا چہرہ مہرہ۔ اس کی چمڑی۔ اس کا مُنہ یا تھوتھنی[2] اس کا سر کس رنگ ڈھنگ کا تھا اور پہلے ہم اسے ریچھ۔ بندر۔ بن مانس وغیرہ کون سے حیوانوں سے مُشابہ پاتے تھے تو صرف یہ مضمون ہی طویل نہو۔ بلکہ انسانی ابتدائی حالت کی ایک مبسوط تاریخ بن جائے مگر چونکہ اس موقع پر ہمیں صرف زبان کی ابتدائی درمیانی اور اخیر حالت اپنے خیالات کے موافق مجملاً دکھانی منظور ہے اس وجہ سے ہم کہیں کہیں

[1] اِس مضمون میں ہم نے اصولاً عام زبان کو اور نظیراً اپنے ہی ملک کی زبان کو زیادہ تر اختیار کیا ہے تاکہ اس تمثیل سے ہمارے ہموطن اس مضمون کو بآسانی سمجھتے جائیں۔

[2] تھوتھنی سے انسان کی اُس اوّلین حالت کی طرف اشارہ ہے جس میں اُس کو ڈارون کے مذہب کے مطابق بندر یا ریچھ وغیرہ کی ہیئت میں خیال کیا گیا ہے۔

انسان کی اوّلین حالت پر کچھ کچھ اشارے کریں گے۔

اگر نظر غور سے دیکھا جائے۔ تو ہمارا یہ دعویٰ کچھ غلط نہ ہوگا کہ ہر چیز کی ابتدائی صورت یعنی اُس کی ہیئتِ اُولیٰ ہر وقت اور اخیر زمانے تک گو کسی رنگ میں ہو۔ موجود نظر آتی اور ہر امر کی ایک نہ ایک نظیر دُنیا میں ضرور پائی جاتی ہے جس سے اُس ذاتِ واحد کی بیچونی کا ایک اعلےٰ اور نمایاں ثبوت ملتا ہے یعنی اِس دُنیا میں شاید ہی کوئی ایسی چیز ہوگی جس کی نظیر موجود نہو لیکن ایسی باتوں کے دریافت کرنے اور پتا لگانے کی دو صورتیں ہیں ایک روایتی یا تاریخی جسے منقول کہتے ہیں دوسری عقلی یعنی فطرتی جسے معقول یا فلسفہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پہلی صورت کا سامان بہم پہنچانا یا اُس پر اطمینان ہونا بہت دُشوار ہے البتہ دُوسری صورت ایسی ہے کہ اُسے ہر بشر کی عقلِ سلیم تسلیم کر سکتی ہے۔

علمِ طبقات الارض کے محققین کے قول کے بموجب انسان کو دنیا میں آئے ہوئے کم سے کم بیس ہزار اور زیادہ سے زیادہ ایک[1] لاکھ برس ہوئے ہیں۔ اگر ہم اِس اپنے موجودہ

[1] اگرچہ اکثر کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دنیا صرف چھ ہزار برس سے آباد ہے اور کل انسان حضرت آدمؑ و حوّاؑ سے پیدا ہوئے ہیں مگر حال کے بعض محققین جیالوجی نے اس کے خلاف تحقیق کر کے دکھلایا ہے

اُن کا بیان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے بھی پہلے دنیا میں انسان آباد تھے رسالہ منظر المضامین میں بھی اس مضمون کا ثبوت دیا ہے کہ حضرت ابو البشر آدم صفی اللہ کے علاوہ اور بھی آدم زمین کے پردے پر اُن سے پیشتر ہو چکے ہیں حکماء ایران کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ محققین جیالوجی اس امر کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ کرۂ زمین کے دریاؤں کے سطحوں میں ہر صدی کے بعد بالو یا پتھر یا چونہ وغیرہ کی ایک تہ جم جاتی ہے چنانچہ اِس قسم کی بیس ہزار تہیں اُنہوں نے اکثر دریاؤں کی سطحوں میں دریافت کی ہیں جن کا طول چوٹی سے نیچے تک بیس میل ہے بلکہ ان تہوں میں سے انسان کی ہڈیاں بھی ملی ہیں جس سے ثابت ہے کہ انسان سے پہلے بھی دنیا میں انسان ہی رہتے تھے مسٹر الڈی فانسو صاحب نے بیس ہزار تہ کے اندر انسانی استخوان کا ڈھانچہ پایا جس کا

زمانے میں کہ اکٹھی تین ہزار سے لے کر چار ہزار تک زبانیں بولی جاتی ہیں کسی خاص زبان کو اگلی تاریخوں یا حکایتوں کے رو سے انسان کی سب سے پہلی زبان قرار دینا چاہیں تو کس قدر ٹیڑھی کھیر ہے کیونکہ فنِ [1] تعلیم و تحریر کو نکلے ہوئے پانچ ہزار برس سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا کوئی ایران کے بادشاہ **جمشید** کو اِس کا موجد قرار دیتا ہے کوئی **یونانیوں** کو۔ کوئی **مصریوں** کو۔ کوئی ہندوستان کے **برہما گپتا** کو۔ دراصل کوئی ہو مگر اس میں کلام نہیں کہ حضرت مسیح سے تین ہزار برس پیشتر طریقۂ تعلیم ایجاد ہوا گویا ہمیں فنِ تعلیم کے اختراع سے اوّل درجہ پندارہ ہزار اور انتہا کا درجہ پچانویں ہزار برس پہلے کی تاریخ اس امر کے

زمانۂ حیات مسٹر کونٹ پوٹلس صاحب کے قول بموجب بیس ہزار برس کا تشخیص ہوتا ہے مصر کی زمین میں اکثر مدفون چیزیں جو بہتر فیٹ کی گہرائی سے برآمد ہوئیں اُن کا زمانہ اس حساب سے تیس ہزار برس سے کم نہیں ثابت ہوتا اِن تہوں میں سے اینٹیں بھی نکلی ہیں جن کا تخمینہ چودہ ہزار برس کا خیال کیا جاتا ہے پس اِن وجوہ سے ثابت ہے۔ کہ انسان ہزارہا سال سے دنیا میں موجود ہے

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمّا را

[1] جملہ تاریخیں اِس امر میں ساکت ہیں کہ تعلیم کی ابتدا کب سے ہوئی لیکن زیادہ چھان بین کرنے سے صرف اس قدر پتہ چلا ہے کہ سب سے پہلے طریقۂ تعلیم و تحریر خسروِ ایران جمشید نے ایجاد کیا۔

کالبروک صاحب تحقیقاتِ ایشیا کی جلد ۷ میں اس کی تردید کرتے اور اس امر کا موجد یونانیوں کو بتاتے ہیں پروفیسر ولسن تاریخ مصر میں اس کا بانی مصریوں کو قرار دیتے ہیں لیکن تمام اہل الرائے متفق ہیں کہ حضرت مسیح سے تین ہزار برس پیشتر طریقۂ تحریر و تعلیم ایجاد ہوا ہم بطور اجتہاد اس بیان کی جرأت کر سکتے ہیں کہ اولاً ایرین قوم نے جس کے نام سے اب تک ایران کی سرزمین یادگار ہے اس طریقے کو ایجاد کیا۔ چونکہ تمام یورپین قومیں ایرین قوم کی نسل سے خیال کی جاتی ہیں ممکن ہے کہ یونانیوں نے اس طریقے کو اسی قوم سے لیا ہو۔ گو یہ کہہ سکتے ہیں کہ مصر بھی اس ایجاد کا دعویدار ہو سکتا ہے لیکن تاریخیں ہمیں اِس امر سے اطمینان دلاتی ہیں کہ یونان کی تہذیب اور اس کی علمی کامیابیاں

ثبوت کے لئے بہم پہنچائی چاہئے جب جاکر یہ سب سے پہلے آدم کے وقت کا اُلجھا ہوا
سوت سلجھنے میں آئے۔

گو زمانے کا تعین ہم ٹھیک اس طرح نہ کرسکیں کہ آج اس بات کو اس قدر
عرصہ ہوا یا اتنی مدت گذری مگر فطرتی دلیلوں اور تجربوں سے اِتنا ضرور بتا سکتے ہیں کہ
اوّل ہیں اس کی یہ ہیئت تھی۔ پھر تراش خراش پاکر یہ صورت ہوئی اور آئندہ اسی قاعدے

بقیہ حاشیہ اُسوقت نصف النہار پر پہنچی ہوئی تھیں جبکہ مصر آدمیت کا دعویٰ بھی نہیں کرسکتا تھا۔
ایڈنبرا ریویو کا قابل قدر اور فاضل اڈیٹر رسالۂ مذکور کی جلد ۱۲۱ صفحہ ۷۳ میں لکھتا ہے کہ اول اول طریقہ
ہندوستان میں بوھما گپتا نے پانچویں صدی کے اخیر میں ایجاد کیا لیکن اتنا شبہ اُسے بھی ہے کہ اس فن
کی ابتدا اُسی نے کی ہے یا کسی اور کے ایجاد کا چربا اُتارا ہے لیکن جب ہم کرنل ولفورڈ کی تحریر مندرجہ تحقیقات
ایشیا جلد ۱۲ صفحہ ۲۹۱ لغایت ۲۹۸ مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو حیرت ہوتی ہے کہ چھٹی صدی کے شروع
میں جو علوم یونانیوں نے ایجاد کئے یا جن کو ترقی دی۔ اُن کا مخرج ہندوستانی حکما کے اقوال ہیں ہم پہلے
بیان کرچکے ہیں کہ یونانیوں نے ایرانین قوم سے بہت کچھ استفادہ حاصل کیا چونکہ ہندوستان پر ایران کے قرب کی وجہ سے
بہت کچھ اثر پہنچ سکتا تھا ممکن ہے کہ ایرانی ایجاد کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُسکی روشنی ہندوستان میں پہنچی ہو
اور یہ بالکل بعید القیاس نہیں کہ ہندوستان حضرت مسیح سے دو ہزار برس پیشتر ان ایجادوں سے مالامال ہوگیا ہو
علم ادب کی سب سے عمدہ کتاب سنسکرت میں کلیلہ دمنہ نامی ہندوستان میں چوتھی صدی عیسوی کے
وسط میں تصنیف کی گئی وہ ہمیں اس امر کا اطمینان دلاتی ہے۔ کہ ہندوستان اِس وقت بالکل تعلیم یافتہ
ہوچکا تھا پانچویں صدی کے شروع میں اس کتاب کی نقل نوشیروان بادشاہ ایران نے بہم پہنچائی جو ۵۳۱
سے ۵۷۹ عیسوی تک موجود تھا۔ ہمارے فخر قوم مخدوم و مکرم ماہر دوازدہ زبان شمس العلماء جناب مولانا مولوی
سید علی صاحب بلگرامی اپنے لکچر متعلقہ ماخذ کلیلہ دمنہ میں ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ سنسکرت میں اسوقت کوئی کتاب

سے روز بروز ترقی ہوتے ہوتے یہ حالت ہوجائے گی۔

چونکہ کُل مخلوقات ذی روح اور غیر ذی روح اپنی اپنی مُناسبت کے موافق جداگانہ فطرت خاصیت و عادت رکھتی ہے پس جو باتیں ذی روح ہونے کے لحاظ سے واجب ہیں وہ سب حیوانات میں۔ اور جو امور غیر ذی روح ہونے کے خیال سے لازم ہیں وہ سب بے جان چیزوں میں۔ اپنی اپنی نوع اور صنف کے مُوافق قریب قریب یکساں پائے جائیں گے یعنی اگر پتھر میں کسی کے سہارے اور استعانت کے بغیر از خود ہلنے جُلنے

ایسی موجود نہیں جسے کلیلہ و دمنہ کی اصل کہہ سکیں لیکن ایک کتاب پنچ تنتر البتہ ہے جس کے پانچ باب ہیں اور یہ پانچوں باب کلیلہ و دمنہ کے پانچویں۔ ساتویں آٹھویں۔ نویں اور دسویں بابوں سے کم و بیش مطابقت رکھتے ہیں۔ بہر حال مؤرخوں میں کیسا ہی اختلاف کیوں نہو لیکن اِس امر میں تمام تاریخیں ہمزبان ہیں کہ حضرت مسیح سے تین ہزار برس بیشتر طریقۂ تعلیم و تحریر ایجاد ہوا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا کہ ایران کی شہنشاہی پر جمشید فرمانروائی کر رہا تھا اور دُنیا میں اُس وقت یہی ایک سلطنت تھی جس کی طرف ہر قسم کے ایجاد منسوب نہیں ہوسکتے ہیں چونکہ آریہ بزرگواروں کا مسکن اصلی ایران ہے لہذا اُسے جمشید کا ایجاد تصور کرنا بالکل بیموقع ابھی تک لوگوں کا خیال تھا کہ سب سے اول بالمیکی رامائن ضبط تحریر میں آئی مگر اب ثابت ہوا کہ کپل مُنی کی گیتا اِس سے بھی پہلے معرض تحریر میں آچکی تھی۔ یہ کتاب مہاراجہ کشمیر و جمّوں کے کتب خانہ میں اب تک موجود ہے اور ہمارے بعض دوستوں نے خود دیکھی ہے۔

زمانۂ موجودہ کی اکثر دیسی سنسکرت پاٹ شالاؤں کو دیکھکر ہم ہندوستانی قدیم طریقۂ تعلیم کا وہ حال معلوم کرسکتے ہیں جو برہما گپتا نے ایجاد کیا تھا اور دیسی مکاتب فارس کو دیکھکر ہم ایران کے اس طریقہ تعلیم سے واقف ہوسکتے ہیں جس کی اصلیت جمشید سے منسوب کی جاتی ہے اور یہ طریق عمل ہم کو اس امر سے مطمئن کردیتے ہیں کہ دونوں مکتبوں کے معلّم ایک ہی اُستاد کے شاگرد ہیں۔

چلنے پھرنے کی طاقت نہیں ہے۔ تو درخت بھی یہ قابلیت نہیں رکھتے ہیں کہ وہ اپنے
پاؤں سے چلیں۔ گو اُن میں ایک ایسی اندرونی قوت موجود ہے جس سے وہ پھلنے پھولنے
بڑھنے سوکھنے وغیرہ کی طاقت رکھتے ہیں اور دیگر حیوانوں کی طرح مرتے جیتے کھاتے پیتے
بلکہ دن کی کھائی ہوئی بعض خوراک رات کو اُگل دیتے ہیں۔ علی ہذا القیاس اگر اور حیوانات
توالد و تناسل وغیرہ حرکات و سکنات پر قادر ہیں تو انسان بھی اس صفت میں شامل
اور بعض نظایر میں اُن کا ساتھی ہے ہم کو حیوانات سے بہت سی نظیریں ایسی مل سکتی ہیں
جن سے انسان کی ابتدائی پیدائش ابتدائی حالت اور گویائی کا سُراغ آگے چلتا ہے اور
یہی حیوانات ہیں کہ بغیر لکھے پڑھے انسان کی اوّلیں تاریخ ہمیں سُناتے ہیں۔

اگر ذرا بھی فکر سے دیکھیں تو ابھی تک بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ انسان اُن کے
سبب اور حیوانات بھائیوں سے بالکل جُدا نہیں ہوا بلکہ انسان کے ناسمجھ بچوں میں تو
اس امر کا پُورا پورا نمونہ فطری طور پر پایا جاتا ہے جس سے ہم خیال کر سکتے ہیں کہ ابتدا
میں ہمارے اور دیگر حیوانات کے بچوں کی کون سی فطرتی دیس کی بول چال تھی اور
درحقیقت زبان اور اُس کے حرف اور اُس کے الفاظ کیا چیز ہیں۔

ہم کو صرف ہماری عقل نے دیگر حیوانات سے ممیز اور ممتاز بنا رکھا ہے۔ اگر ہم اپنے
اُن خیالات کو جو رات دن ہمارے دماغ ہمارے دل میں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جوں کا
توں ویسا ہے لوگوں پر ظاہر ہونے دیں یا ہم خود ہی ایمانداری سے اُنہیں لکھکر
دیکھیں تو معلوم ہو جائیگا کہ اعلےٰ تربیت یافتہ انسان بھی شیخ چلی بلکہ حیوان وحشی سے
کم نہیں ہے۔

ذرا سوچو کہ بکری کے بچے کا پیدا ہوتے ہی مِمیانا۔ گائے کا اپنے بچے کی تلاش میں

۱؎ اُن کی خوراک ایک قسم کی کاربن ہوا اور اُن کا پانی یہی ہمارے تمہارے پینے کا پانی ہے۔

دانبھنا۔ بیل کا بیل کو دیکھکر ڈکرانا۔ کوّے اور اس کے بچوں کا کائیں کائیں کرنا۔ چڑیا اور اُسکی چینگی پوٹوں کا چیں چیں کرنا۔ بندر اور اُس کے بچوں کا لکیانا۔ انسان کی اولاد کا پیٹ سے باہر قدم رکھتے ہی ٗوں ٗوں کرنا کون سے دیس کی بھاکا ہے؟ ان الفاظ کے کیا معنے ہیں؟ ان کا کونسا مخرج ہے؟ ان باتوں کو اُنہیں پیٹ میں جا کر کس نے سکھایا تھا؟ اور اُنکے معنی کس عقل کے پُتلے نے وہاں پہنچ کر سمجھا دیئے تھے؟ چڑیا کے بچوں کو کس نے کہا تھا کہ جب تمہارے ماں باپ دانہ بھرانے آئیں تو تم چونچ کھول کر زبان نکال کر چیں چیں کر کے اُنہیں اپنی بھوک کی طرف متوجہ کرنا۔ مُرغی کے بچّوں کو کس نے پڑھایا تھا کہ جب تمہارے ماں باپ کہیں دانہ دُنکا دیکھکر کُٹ کُٹ کریں تو سب کے سب اُسی طرف دوڑ پڑنا۔ بندروں کو کس نے تعلیم کیا تھا کہ ایک کِلکاری کے ساتھ سب ہی جمع ہو جانا۔ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ابتدا میں انسان بھی جو دیگر حیوانات میں شامل ہے اسی قسم کی بے معنی اور مہمل بولی بولتا ہوگا۔

مُصیبت اور بے اختیاری کی حالت میں جب حیوان یا انسان کے مُنہ سے کوئی بات نکلے گی تو وہ ضرور اُسکی اصلی فطرت کے موافق ہوگی طوطا ہزار حق اللہ پاک ذات اللہ کہے رام رام سیتا رام جپے مگر جسوقت بلّی آن کر دبائے گی تو ٹیں کے سوا کچھ اس کی زبان سے نہیں نکلیگا انسان کا بچہ جسوقت پیدا ہوتا ہے یا جب کسی کے ہاتھ خواہ پاؤں کے نیچے اُسکا جسم دفعتًا دب جاتا ہے تو وہ بھی اوّل قیں کر کے رہ جاتا اور بعد میں رونے کا تار باندھ دیتا ہے۔ اگر کسی آدمی کے اچانک چٹکی بھر لی جائے تو اس کی زبان سے سی کے سوا کیا نکلے گا اور جو ایکبارگی کسی کو ڈرا دیا جائے تو ہو کے بجز کیا کہے گا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بےخبری میں چونکہ ہماری عقل نے ہمکو کوئی بامعنے لفظ نہیں بنانے دیا اور وہ ہمیں اس

فعل سے نہ روک سکی اس سبب سے ہم اپنی پہلی حیوانیت پر آ گئے یعنی جو حالت حیوانات کی ہوتی ہے وہ ہی حالت بیخبری میں ہماری بھی ہوئی اور دونوں کے منہ سے وہی مہمل اور بے معنی الفاظ نکلے اگر تُرت کے جنے ہوئے بچے کی آواز پر غور کریں تو بلی کے بچے کی آواز سے بہت مشابہ پائیں گے بلکہ بعض اوقات بعینہ بکری کے بچے کی سی آواز مفہوم ہوتی ہے یہ ہی حال جنگلی اور وحشی آدمیوں کا ہے کہ وہ چیں پیں کے سوا کچھ بولنا ہی نہیں جانتے اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان کی زبان ابتدائی زمانے میں دیگر حیوانات کی زبان کی طرح محض مہمل تھی البتہ ایک فرق ضرور پایا جاتا ہے کہ یہ آواز اکثر پرندوں اور تمام تر کیڑوں یا دریائی جانوروں کی آواز سے کسی قدر بیّن مغایرت رکھتی ہے۔

ہم سوال کرتے ہیں کہ بعض تحقیق دوست بادشاہوں نے جیسے سب سے اوّل ایک یونان کے بادشاہ نے اور سب سے اخیر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ ہندوستان نے جو انسان کے نوزائیدہ بچوں کو آبادی سے دور تہ خانوں کے اندر گونگے بہرے آدمیوں سے گنگ محل میں پرورش کرایا اور ہر قسم کے اشاروں اور آواز سے خبردار نہونے دیا تو اُنکی بولی کیا ثابت ہوئی؟ اور بعض انسانی بچے جنہیں جنگلی جانوروں یا درندوں وغیرہ نے اپنے بھٹوں میں لیجا کر پالا تھا جب بڑے ہو کر آدمیوں کے ہاتھ آئے تو وہ کونسی زبان کے بولنے والے قرار پائے؟ جہانتک ہمیں معلوم ہے یہی ثابت ہوا کہ انسان اور حیوان کی ابتدائی بولی میں کچھ فرق نہ تھا جس طرح یونان کے بھونرے میں پلے ہوئے بچے نے حیوان کے مانند چلیں چیں اپنی زبان ثابت کی اسی طرح ہندوستان کے تہ خانے میں پرورش یافتہ بچے نے بھی غائیں پائیں کے سوا کچھ زبان سے نہیں نکالا۔ ہاں اگر اُن کی آوازوں میں فرق تھا تو صرف زبانوں کی ساخت منہ کی بناوٹ۔ دانتوں کی تراش۔ ہونٹوں کی ہئیت کی وجہ سے

فرق تھا اور یہ ایک ایسا فرق ہے کہ اب تک باہمی دیس دیس کے انسانوں میں بھی برابر پایا
جاتا ہے۔ یعنی بعض ملکوں کے آدمیوں کی ساخت وہاں کی آب وہوا اور مقامات کے لحاظ سے
ایسی واقع ہوئی ہے اور اِن کی زبانوں یا ہونٹوں میں کچھ ایسا بجوگ آکر پڑا ہے کہ وہ بعض
حرفوں کو اُن کے اصلی مخارج سے نکالنے پر بالکل قادر نہیں۔ کیا وجہ ہے کہ اہل عرب سے چ
پ۔ گ ادا نہیں ہوتا۔ کیا باعث ہے؟ کہ ایران کے لوگ ٹ۔ ڈ۔ ڈھ۔ ڑ۔ ڑھ ان کا
تلفّظ ادا نہیں کر سکتے۔؟ اور ہندی کر سکتے ہیں۔ اہلِ پنجاب ژ۔ ق کا تلفّظ آسانی سے کیوں
نہیں ادا کر سکتے اور ہندوستانی کیوں کر سکتے ہیں۔ اس کا یہی سبب ہے کہ مقامی آب
وہوا اور اُن کی زبان و دہن کی ساخت میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہے۔

پھر جس طرح آوازوں میں ساخت آلات تلفّظ کے لحاظ سے فرق پڑا اسی طرح بلحاظ آب
وہوا و بلحاظ خصاص ملکی بھی فرق پیدا ہوا کہیں کوہستانی اور میدانی مقامات کا اثر اپنا
جلوہ دکھاتا ہے کہیں کھادر۔ بانگر اور ریگستان کا پرتو اپنا سکّہ بٹھاتا ہے۔ مثلاً پہاڑی
حیوانات ہونگے تو اُن کی آواز پہاڑوں کے کھڈوں اور اُونچے نیچے ٹیلوں اور گھاٹیوں
اور آبشاروں میں ٹکرا کر اپنی گونج سے ایک ایسا سلسلہ اور لہر پیدا کریگی کہ اُن کی اصل آواز
جیسی کہ وہ مُنہ سے صادر ہوئی تھی جوں کا توں نہیں رہنے دیگی بلکہ بلا ارادہ گٹکری کا لطف حاصل
ہو جائیگا پہاڑی لوگوں کے گیت اِس امر کے شاہد ہیں۔ علی ہذا چٹیل میدانوں کے رہنے والوں کی
آواز میں وہی ہمواری۔ سلاست اور روانی پائی جائیگی جو میدان کے لئے موزوں ہے اور جیسی
بانگر کے لوگوں میں کرختگی ہے ویسی ہی اُن کے الفاظ میں بھی خشونت ہے جس طرح کھادر یا
تری کے باشندوں میں نرمی ہے اِسی طرح کی اُن کی زبان میں بھی کمزوری اور ملائمت ہے
عرب جیسے خُشک مُلک کی زبان اونٹوں کی زبان سے کس قدر مُشابہ ہے انگلستان جیسے

سمندری جزیرہ کی بولی دریائی جانوروں سے کتنی مطابقت کھاتی ہے یہاں تک کہ حرفوں کی طرز تحریر میں بھی دریائی لہروں کا لطف آتا ہے ایران کی شیریں بولی اپنے مُلک کی معتدل آب و ہوا کس خوبصورتی سے ثابت کر رہی ہے۔

جب ہم سوچتے ہیں کہ اوّل ہی انسان یا حیوان نے بولنا یعنی زبان سے حرف یا الفاظ کا نکالنا کِس سے سیکھا تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کے دم کا ساتھی اُستاد جسے سانس کہتے ہیں ابتدا میں قدرتی طور پر اس سے بے معنی حرف نکلوانے کا باعث ہوا۔ سانس بذاتِ خود اپنے مخارج یعنی ناک گلے یا مُنہ میں آنے جانے سے ایک آواز پیدا کرتا اور یہ بات بتاتا ہے کہ اگر مجھ کو ذرا زور سے بولوگے تو کچھ بڑی آواز اور جو سینے پر زیادہ دباؤ ڈال کر کھینچو گے تو اس سے بھی بڑی صدا پیدا کردونگا پس اس سے ثابت ہوا کہ انسان یا حیوان کے بولنے کا پہلا سبب یا اس کے نطق کا پہلا اُستاد سانس ہے۔ سانس کیا ہے؟ وہ ہوا ہے جو پھیپھڑے کی دم کشی سے اندر آتی یا اندر سے باہر جاتی اور کان کے ذریعے سے ہمیں مسموع ہوتی ہے درحقیقت آواز پیدا کرنے کا اُستاد سانس بھی نہیں ہے بلکہ تصادُم ہے۔ دُنیا میں جتنی آوازیں پیدا ہوئیں یا جسقدر سلسلۂ موسیقی قائم ہوئے وہ سب کیا ہیں؟ اسی ہوا کی موجیں ہیں جو از خود ٹکرانے یا کسی چیز کے باہم تصادُم پانے یا تنگ اور سکڑے مقاموں خواہ سُوراخوں میں بھچکر نکلنے سے ظہور پکڑتی ہیں اگر کوئی باجا ہے تو ہوا کے تار پر چلتا ہے۔ اور جو کوئی گڑگڑاہٹ یا گرج ہے تو وہ ہوا کے توسّل سے ہم تک پہنچتی ہے۔ چونکہ ہوا سے دنیا کی کوئی جگہ اور کوئی مکان خالی نہیں ہے اور اس میں بھی سیّال ہونے کی وجہ سے پانی کی سی لہریں یا موجیں ادنےٰ ادنےٰ تصادُم سے پیدا ہوکر کبھی بڑھتی کبھی گھٹتی ہیں۔ پس یہی لہریں ہیں جو تصادُم کی آواز کو دور تک تقسیم کرتی اور پھیلاتی چلی جاتی ہیں۔ اب اگر یہ ہوا جانوروں کے سانس پھیپھڑے یا زبان کے وسیلے سے نکل کر ہمارے

کانوں تک پہنچی تو یہی جانوروں کی بولی ہے اور جو انسان کے منہ کی بستگی وکشادگی یا
زبان کے تحرّک اور سانس کی قصداً امداد سے پیدا ہوئی تو حرف خواہ کلمہ ہے لیکن اسکی
بھی دو قسمیں ہیں اگر قائل نے اپنے ذہن میں اس آواز کے کچھ معنی ٹھیرا کر اُس آواز کو
نکالا ہے تو وہ بامعنی ہے ورنہ بےمعنی۔ گو بعض بےمعنی الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اُن سے
موقع ومحل کوئی معنی پیدا کر دیتا ہے مگر ہم اُنہیں مہمل ہی ٹھہرائیں گے مثلاً بلّی کے بُلانے
کی آواز کو پس پس پِ کہتے ہیں جسے بلّی بھی سمجھتی ہے اور ہم بھی جانتے ہیں کبوتروں کے اُڑانے کی
آواز کو گُو گُو ہے جس سے ہم اور ہمارے کبوتر دونوں واقف ہیں تاہم اِس کا نام بامعنی
لفظ یا کلمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ علی ہذا سیٹی کی آواز جو مطلق ایک باریک آواز ہے مگر
چاہو کہ اُس سے کوئی معنی مفہوم ہوتے ہوں ہرگز نہیں ہوتے۔ اگرچہ بعض جانور اس آواز
پر سدھائے جانے کے سبب کچھ کام بھی کر لیتے ہیں جانور ہی نہیں بلکہ بعض انسان بھی
سیٹی پر لگے ہوئے ہوتے ہیں اور یہ ایک بُلانے پکارنے یا جتانے کا اشارہ خیال کیا جاتا ہے
یاد رکھنا چاہیئے کہ انسان کا گلا موسیقار یا ققنس پرند سے کم نہیں ہے اگر اُسکی منقار
سے ایکسو ساٹھ ۱۶۰ سُر نکلتے ہیں تو انسان کے گلے کی ساخت میں ہزاروں رگیں پٹھے اور
شریانیں ایسی ہیں کہ اُن میں سے ہر ایک سُر کی آواز نکلتی اور ایک نیا راگ پیدا کر دیتی ہے
یعنی انسان کے گلے میں جو انسان کی طرح دُنیا کے تمام گلوں کا خلاصہ اور مجموعہ ہی قدرت نے
اول ہی سے ہر ایک آواز کی صلاحیت وقدرت پیدا کر دی ہے اور اُس کا زیادہ تر سانس
کے وسیلے سے اظہار ہوتا ہے۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ گلا تمام آلاتِ موسیقی سے بہت بہتر
ہے بشرطیکہ اچھّا بنا ہو۔ زکام کی حالت میں جیسے جیسے سُر از خود ہماری ناک سے سرزد ہوتے
ہیں ہم اُنہیں خوب جانتے ہیں اگر اب بھی ہم اس بات کے قائل نہ ہوں کہ ہمارا سانس ہی

حروف اور زبان پیدا کرنے کا اُستاد ہے تو ہمیں اپنی عقل پر آپ ہی افسوس کرنا چاہیئے
جب تک انسان حیوانیت میں رہے اور اُن کی جہالت نے پیچھا نہ چھوڑا۔ یہ دیگر حیوانات
کی طرح موقع بے موقع ویسے ہی بے معنی اور مُہمل الفاظ جیسے اب دودھ پیتے بچّوں یا جانوروں
سے صادر ہوتے ہیں اپنی زبان سے نکالتے رہے لیکن جب سالہا سال کے بعد انہوں نے
اپنے تئیں حیوانیت سے نکالا جسمانی رنگ رُوپ بدلا۔ آپا سنبھالا ۔ مل جُل کر رہنا سیکھا شرم
ولحاظ حیا اور لاج کو جانا۔ باہمی تعلقات کو سمجھا۔ دُنیوی ضرورتوں نے وقتاً فوقتاً اگر دبایا
باہم ایک دُوسرے سے مدد لینے اور دینے کے محتاج ہوئے تو انہوں نے سب سے اول اُن
تین مُفرد حرکتوں خواہ آوازوں کو منضبط کیا جنہیں ہم اعراب یا حرکات ثلاثہ کے نام سے
نامزد کرتے ہیں یہ تینوں آوازیں وہی ہیں جو زمانۂ پیدائش سے اُنکے ساتھ سانس کے
ہمراہ آئی تھیں اور اپنے سہل الخروج ہونے کے سبب ہر ایک سے اپنے اپنے موقع پر بآسانی
سرزد ہو جایا کرتی تھیں یعنی درد کے موقع پر درد کا سماں اِن میں تھا۔ انبساط کے موقع
پر انبساط کا نعرہ یا ہرّا ان میں تھا۔ دریا کی موجیں۔ ہوا کی لہریں۔ گنبدوں کی گونجیں۔
اُترنے کی سیڑھی۔ چڑھنے کا زینہ۔ خدا اور اپنے پیاروں کی پُکارنے کی ندا۔ ہر قسم کی صدا۔
ہاتھیوں کی چنگھاڑ شیروں اور بادلوں کی گرج۔ بھنبیری کی بھنبھناہٹ۔ مگس کی طنین۔
قریب و بعید کی چیزوں کے اشارے۔ دُنیا کے ابتدائی دھندے سب اِن تین آوازوں
یعنی آ ا اِ میں موجود تھے اور ہر ایک کیفیت اِنہیں کے بڑھانے گھٹانے سے حاصل ہو جاتی
تھی چنانچہ جب لوگوں میں اوّل اوّل تمدّنی مادّہ پیدا ہوا۔ گھر بار بسا کر رہنے۔ مِل جُل کر
ایک جگہ بیٹھنے اُٹھنے لگے تو انہوں نے اپنے مخاطبوں حاضر اور سامنے کے لوگوں
سے خطاب کرنے کیلئے آ۔ اشارۂ قریب کے واسطے اِ۔ کنایۂ بعید کیلئے اُ۔ اشتراک اعضا جسمانی

یعنی اسر۔انگشت۔پا۔چشم۔دہان وغیرہ اسے کام لینا شروع کیا۔اظہارِ درد۔اظہارِ خوشی۔ندا ندبہ میں یہی خطابی آ۔کام دیتا رہا بلکہ یہی وجہ ہے کہ بچوں کی زبان سے اب تک اوّل حروف ندا ہی سرزد ہوتے ہیں۔اسکے بعد اسماء اور اسماء کے بعد جاکر افعال اور افعال کے بعد روابط پیدا ہونے کی باری آتی ہے لیکن جب بچہ ہوش پکڑتا ہے تو یہ بے ترتیبی نہیں رہتی۔روابط افعال سے پہلے اپنے اپنے موقع پر اسموں اور ضمائر کے درمیان آجاتے ہیں۔

حرفِ آسب زبانوں میں پہلا حرف یا اعراب پایا جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جب منہ سے آ۔نکالتے ہیں تو سانس کو نکال کر روک لیتے ہیں اور جب اِ۔نکالتے ہیں تو ذرا زیادہ فاصلہ تک لے جاکر سانس روکتے ہیں اور اُ۔کو اس سے بھی پرے تک لیجاتے ہیں سب سے زیادہ آسانی حرفِ آ کے نکالنے میں پائی جاتی ہے فرض کرو کہ ایک دریا کسی مقام سے نکلا ایک بند اُس کے منبع کے قریب لگا یا دوسرا اُس سے آگے تیسرا اُس سے بھی آگے لیس یہی باعث ہے کہ آ۔کا اشارہ سامنے یا نہایت پاس کے واسطے۔اِ۔کا اشارہ صرف قریب کے لئے۔اُ۔کا اشارہ بعید کیواسطے قرار پایا اس کی مثال لفظ اپنا۔اِسکا۔اُسکا سے بخوبی سمجھ میں آسکتی ہے۔

غرض ورے ورے جتنے کام تھے وہ سب ایک مدت تک اِنہیں تین حرکتوں سے لیتے رہے اور اکثر ایسا بھی ہوا کہ جس موقع پر کسی شخص کی زبان سے اُسوقت کی موجودہ حالت اور کیفیت کے موافق کوئی بے اختیار صدا نکل گئی تو وہی اُس کام یا موقع کیواسطے ایک علامت یعنی یادداشت ٹھہر گئی لیکن جب روز بروز احتیاجیں بڑھنی شروع ہوئیں اور اُن کے کاموں کی ضرورتوں نے اور بھی طول پکڑا تو جہاں جہاں تک آدمی کی آواز پہنچ سکتی تھی اُتنے فاصلے کے واسطے چند مفرد اور سہل الخروج

حرُوف اپنے اپنے ملک کے موافق تجویز ہوئے اور اِن حرکتوں کو اُن کے چلانے بڑھانے۔ گھٹانے۔ روکنے۔ تھامنے اور ٹھیرانے کی باگ قرار دی۔ اب یہ لوگ اتنے ہو گئے کہ اگر گھر کے جھونپڑے میں بیٹھے ہیں تو باہر کے آدمی سے جو بظاہر غائب مگر ٹٹی کے پیچھے اوٹ میں کھڑا ہے بغیر اشارۂ چشم و جنبش اعضا کام لینے لگے جیسے جیسے سہل و مشکل کام پڑے ویسے ہی ویسے سخت و آسان آواز کے الفاظ بنتے چلے گئے اگر کسی خطّہ کے آدمیوں پر مصیبت زیادہ پڑی ہے تو وہاں مصیبت کے متعلق الفاظ زیادہ بنے۔ اور جو کہیں راحت و اطمینان حاصل رہا ہے تو وہاں عیش و آرام کے لُغت زیادہ وضع ہوئے اگر کہیں جنگ کا زیادہ اتفاق پڑا ہے تو وہاں جنگ سے تعلق رکھنے والے لفظ بکثرت موجود ہو گئے۔

برسوں صِرف اعراب و حرکات نے کام دیا اور سالہا سال مُفرد حروفِ ہجا نے کام نکالا جب اِس سے ضرورتیں پوری نہ ہوئیں اور زبان نے پانی کی رَو۔ ریل کی رفتار برقی تار کی خبر کی طرح آگے دوڑنا شروع کیا تو انہیں حرفوں اور حرکتوں سے مرکب ہو ہو کر چھوٹے

ا؎ جو ملک سب سے پہلے آباد ہوئے ان میں سب سے زیادہ حروف بنائے گئے مثلاً سب سے زیادہ سنسکرت کے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہند میں سب سے پہلے آبادی ہوئی اور دیگر ممالک میں اس کے بعد۔ ہر ایک ملک کے حروف کی تعداد بہ تفصیل ذیل ہے مگر چین جس کے الفاظ ایک حرفی ہیں اِن سب سے مستثنےٰ ہے چنانچہ وہاں کی الف بے میں اسی ہزار حروف ہیں جن میں ۲۱۴ مفرد باقی مرکّب ہیں۔

ہندی یا سنسکرت	۴۹	لاطینی	۲۵
روسی	۴۱	یونانی	۲۴
فارسی	۳۲	فرانسیسی	۲۳
عربی	۲۸	ایرانی	۲۲
انگریزی		اٹلی	۲۰
جرمن	۲۶	برہما	۱۹
اسپین			

اُردو زبان چونکہ کئی زبانوں سے مخلوط ہو کر بنی ہے اس سبب سے یہ زبان سب سے زیادہ یعنی ۵۱ آوازوں کی مالک ہے

چھوٹے الفاظ۔ کلمے اور اُن کے ساتھ کچھ کچھ بے ربط یعنی بغیر مبتدا و خبر جملے بننے شروع ہو گئے جس کا اثر آج تک ہمارے ناسمجھ بچوں میں موجود ہے اب لوگوں نے جان لیا کہ زبان صرف ذائقہ بتانے کے واسطے ہی نہیں ہے بلکہ ہمارے دلوں کا منشاء ظاہر کرنے کے لئے ایک عُمدہ قاصد ہے۔ ہم میں اور دیگر حیوانات میں اگر مابہ الامتیاز کوئی چیز ہے تو وہ یہ گویائی اور نطق ہی ہے ورنہ ہم میں اور تمام حیوانات میں کچھ بھی فرق نہیں ہے۔

اب بامعنی اصوات یا الفاظ بننے کی نوبت آئی۔ یہ سب جانتے ہیں کہ انسان کو خدا تعالےٰ نے اور مختلف بیش بہا قوتوں کے علاوہ قوائے عقلی بالتخصیص عطا فرمائے ہیں یعنی اوّل قوتِ مُدرکہ جس سے ہر ایک چیز کا ادراک ہوتا ہے دوم قوّت حافظہ جس سے ہر ایک بات دماغ میں محفوظ یعنی یاد رہتی ہے سوم قوت متخیّلہ یعنی خیالی قوت جو دماغ میں ایک صورت پیدا کر دیتی ہے چہارم عقل یعنی قوّت تمیز پس بامعنی صوت یا لُغت انہیں چاروں مرحلوں کو طے کر کے بنا یعنی پہلے ہمیں کسی بات کا خیال آیا وہ خیال حواسِ خارجہ سے پتّا ہو کر قوت مُدرکہ کے حضور میں پہنچا۔ قوتِ مدرکہ نے اُسے حافظہ کو سونپا۔ حافظہ نے قوت متخیلہ سے اُس کی صورت بنوائی۔ قوت متخیّلہ نے اُسے عقل کے سپرد کیا۔ عقل نے اس میں امتیازی قوت بخشی اس وقت وہ ہمارے ارادے کے موّافق زبان پر آیا اور ہوا سے ہماری دلی خواہش کے موافق اپنی مُنہ سے بولتی ہوئی تصویر یعنی آواز بنوائی پس یہی آواز ہمارے مکنون فی الذہن یا مافی الضمیر لفظ خواہ لُغت کی صُورت بن کر ہماری زبان سے صادر ہوئی اور اس طرح صدور پکڑنے سے وہ بامعنے لفظ یا بامعنی کلمہ کہلانے کی مستحق ٹھہری۔

پہلے پہلے تو یہ الفاظ صرف کاروبار کی ضرورتوں کا کام دیتے رہے مگر بعد میں خوشی

مصیبت۔ رنج وغم کے جھگڑوں میں شریک ہو ہو کر ایک ایسی کل کی پتلی بن گئے کہ جس موقع
اور جس مجمع میں کہیں کی کیفیت بیان کر کے سماں باندھ دینا منظور ہوا ہمیں اس کل کی
پتلی یعنی زبان کے ارگن باجے کو ان الفاظ سے آشنا کیا اور ہو بہو وہی رنگ جما دیا اس سے
قوت حافظہ کی زنگ خوردہ تلوار کی بھی صیقل اور جلا ہوتی گئی۔ نیز بزرگوں کی وصیتیں عقلمندوں
کی آزمودہ باتیں۔ ہر قسم کے تجربے۔ روایتیں۔ علاج معالجہ کے گر۔ بہادروں کے ساکھے
بھی یاد ہوتے رہے چونکہ سب بڑے بڑے واقعات عمری کا یاد رکھنا طاقت بشری سے بعید
تھا۔ اس کے لئے کہاوتیں جن کے الفاظ ماقل ودل سے پُر ہیں بنائی گئیں۔ ماتم خوشی بیاہ
شادی۔ جنگ وجدل کے گیت بجائے "تاریخ و یادداشت" ایجاد ہوئے اور اب یہ زبان کا
سلسلہ بترتیب ذیل ترکیب پکڑ کر آگے چلا یعنی اول صوت مطلق نے ہوا سے ظہور پکڑ کر
ہمیں آواز کے معنی سمجھائے۔ بولنے کی ترکیب بتائی۔ اس کے بعد اونچے نیچے سُروں نے
ہم کو اس آواز کا اپنے منہ میں قابو کرنا حسب مراد اُتار چڑھاؤ دینا۔ حرکات ثلاثہ یعنی
اعراب سے کام لینا اور پھر انہیں کی درازی سے حروف علت پیدا کرنا سکھایا جب یہ تعلیم پوری
ہو گئی اور ہمیں اپنی روزافزوں حاجتوں کے سبب اس سے بھی زیادہ آوازوں یعنی حرفوں کی
ایجاد کی ضرورت پڑی تو ہم نے ان آوازوں کو اس طرح پر ترقی دی کہ کسی حرف یعنی آواز کو حلق
سے نکالا کسی کو تالو سے کسی کو نوک زبان سے کسی کو دانتوں سے۔ اور کسی کو ناک کی شراکت سے بنایا
اور اب ہم مفرد حرفوں یا لفظوں سے کام لینے لگے۔ کچھ عرصے تک یہ صدائیں ہمارے دلوں
میں گھر کرتی رہیں اس کے بعد اسمائے اصوات یعنی جن سے جاندار یا بے جان چیزوں کی
آواز بیان کرتے ہیں ہمارے رہبر بنے کبھی ہم نے ہوا کو چلتے ہوئے دیکھ کر اُس کے چلنے
کی نقل سائیں سائیں کے لفظ سے ادا کی کبھی پانی کو برستے ہوئے دیکھ کر اُس کی تُرتُر آواز

کو چھم چھم سے تعبیر کیا۔ کبھی کُتے کے بھونکنے کو بھوں بھوں سے۔ بلی کی آواز کو میاؤں میاؤں سے۔ بکری کے بولنے کو میں میں۔ سے۔ کوکل یعنی کویل کی آواز کو کو کُو کرنے سے۔ موز کی آواز کو جھنگارنے سے باہم ایک دوسرے پر اظہار کرتے رہے۔ بلکہ بہتیرے نام ہی اِن آوازوں کی مشابہت سے رکھے گئے چنانچہ اب بھی جس طرح بچے بکری کو اُس کی آواز کے لحاظ سے میں میں کہتے ہیں۔ اسی طرح بڑوں نے پی پی کرنے سے پپیہا۔ جھیں جھیں کرنیسے جھینگر۔ ٹر ٹر کرنیسے ٹرّو۔ بھوں بھوں سے بھونرا۔ بھیں بھیں سے بھنبیری وغیرہ بہت سے نام بنائے۔ اسکے علاوہ اکثر نام ظاہری یا فعلی مُشابہتوں سے بھی رکھے گئے مثلاً گنسلائی۔ کنکھجورا اجگر۔ بھیڑیا وغیرہ۔ ان ناموں سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا نام جو ایک پتلے سے برساتی کیڑے کا نام ہے وہ صرف سلائی سے مُشابہت رکھنے اور اکثر کان میں چلے جانے کے سبب رکھا گیا۔ دوسرا نام جو ایک زہریلے مُوذی کیڑے کا نام ہے وہ بھی صرف کھجور سے مشابہت رکھنے اور اکثر کان میں بیٹھ جانے کے باعث قرار پایا۔ اِس کیڑے کی ساخت اور اُسکے گنڈے چونکہ کھجور کے درخت سے بہت مشابہ تھے۔ لہذا یہی نام پڑ گیا۔ رہا اجگر اور بھیڑیا چونکہ آج سنسکرت زبان میں بکری کو اور گر نگلنے کو کہتے ہیں اور اژدہا اکثر بکری نگل جایا کرتا ہے لہذا اُس کے اِس فعل کے سبب یہ نام رکھا گیا۔ اسی طرح بھیڑیا بھیڑ بکری کے پکڑ لینے والے درندے کا نام ہوا۔ اب اسمائے اشارات۔ کنایات۔ ضمائر کا تقرر قرار پایا۔ چونکہ ابتدا میں ہم نے مدّتوں ہاتھ پاؤں سر وغیرہ کی حرکات۔ پُورے پورے ناموں اور کامل مشابہتوں سے کام لیا تھا اب ہر بات کے واسطے اعضا سے کام لینا۔ چھوٹی بات کو بڑھا کر بیان کرنا بار بار اسموں کا زبان پر لانا ایک دُشوار امر معلوم ہونے لگا اور نیز ان اعضائے معذور آدمی اپنے بعض بیانات میں قاصر رہنے لگے تو ہمکو اُنکے واسطے بھی الفاظ بنانیکی ضرورت

پڑی چنانچہ ہم نے اِن لمبے اشاروں اور ناموں اور بڑے بڑے بیانوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے
اسم مقرر کر لیئے جن سے قریب و بعید کے اظہار کی آسانی اور بار بار نام لینے یا پورا پورا جتلانے
کی دقت سے رہائی ہو گئی اور بہت سے مخفی و مبہم معاملے صرف کتابوں میں اظہار پانے لگے
جب یہ مشکل بھی حل ہو گئی تو جن چیزوں کے اظہار کے واسطے ہم نے اشارے کنائے
ضمیریں تجویز کی تھیں ان کی شناخت کا کوئی خاص خاص نشان بھی مقرر کرنا واجبات سے
ہوا کیونکہ اس کے بغیر کسی چیز کی صورت یا ہیئت ہمارے خیال میں نہیں آسکتی تھی اس
لئے ہم نے اِن نشانوں کی بجائے اُن کے نام تجویز کیئے بہت سے نام مفرد رکھے گئے اور
بعد میں یہ ہی نام بعض واقعات و امورات اور مُشابہات کے پیش آنے سے مرکب بھی
ہوتے گئے یہانتک کہ بعض جانوروں میں مختلف جانوروں کی شبیہ پاکر اُنہیں کئی کئی
ناموں سے ملا کر ایک نام سے موسوم کیا مثلاً شتر مرغ جس کے بعض اعضاء شتر سے مشابہ
ہیں شتر گاؤ پلنگ جس کا سر اونٹ سے مُشابہ سینگ گائے کے سینگوں کے مانند
کھال اور رنگ پلنگ یعنی تیندوے کا سا ہوتا ہے عربی میں اس کا نام زراف ہے
علیٰ ہٰذا گاؤمیش فیل مرغ سیمرغ وغیرہ ادویات میں فیل گوش ۔ گاؤزبان ۔
مردم گیاہ ۔ ھران کھری وغیرہ ۔

بعض نام اُن کے افعال کے سبب رکھے گئے جیسے مارخور ایک بکرا ہے جو سانپ
کو کھا جاتا ہے چوہے مار ایک شکاری پرند کا نام ہے جو چوہے کا شکار کیا کرتا ہے
نیولا ایک قسم کا چوہا ہے جو نیو کھود ڈالا کرتا ہے اسی طرح اور بہتیرے نام ہیں جو کسی
خاص خاص صفت سے تجویز ہوئے ہیں مثلاً ھاتھی یعنی ایک ہاتھ والا چونکہ اُسکی سونڈ
بجائے ہاتھ کے ہے جسمیں اُنگلی بھی موجود ہے اسوجہ سے یہ نام رکھا گیا چیتا چونکہ اُسکے جسم پر گُل چیتے ہوں

کی مانند ہیں۔ اس سبب سے اِس نام سے نامزد ہوا سمندر یعنی آگ کا کیڑا سام اور اندر سے مرکب ہو کر بنا چونکہ سام فارسی میں آگ کو کہتے ہیں اور اندر بمعنی درمیان آتا ہے لہذا آگ کے اندر رہنے کے سبب اس کا یہ نام پڑ گیا لوہا سنسکرت لوہ بمعنی خون سے یہ نام رکھا گیا اسلیئے کہ لوہا نمی سے سُرخ رنگ یعنی زنگ لے آیا کرتا ہے لال بھی لوہ بمعنی لہو یعنی سُرخ سے بنایا گیا یہی نہیں بلکہ بہتیری ملکوں جزیروں شہروں کے نام بھی کہیں اُن کے آباد کرنے والے کے نام پر کہیں اُن کے محقق اور دریافت کرنے والے کے اسم مبارک پر۔ کہیں بادشاہ وقت یا کسی خاص قوم کے نام پر نام رکھے گئے کبھی پہلے پہل کسی اجنبی مُلک کی طرف جانے نکلنے والے سیّاح نے خود ہی اپنے نام پر اُس مُلک کا نام تجویز کر لیا۔ کبھی اُس مُلک کی خاص خاص چیزوں یا جانوروں کے نام پر نام ہو گیا کبھی تیمنًا و تبرکًا کسی مذہبی پیشوا یا دیوی دیوتا کے نام مقدس پر ہی کوئی نام نامزد ہو گیا جیسے شہر کانپور کرشن جی کے دوسرے نام کاہن سے مرکب ہو کر کاہن پورا اور پھر رفتہ رفتہ کانپور بن گیا اتھنز مدینۃ الحکماء کا نام ایتھر نامی عقل کی دیوی کے سبب قرار پایا۔ کالی کوٹ یعنی کلکتہ کالی دیوی کے باعث سملہ سملی دیوی کے سبب اِس نام سے موسوم ہوا مالوہ مالچند سپہ سالار مہاراجہ بُردمن عُرف مہاراج والیِ بہار کے آباد کرنے سے مالوہ مشہور ہو گیا ہستنا پور راجہ ہست کے بسانے سے ہستنا پور کہلایا۔ بھوپال بھوپال سنگھ راجہ بھوج کے وزیر کے سبب بھوپال ہوا علیٰ ہذا نینوا نینوس بادشاہ کے نام پر۔ یونان یاوان ابن یافث ابن نوح کے نام پر مصر مصرائم ابن حام ابن نوح کے نام پر امریکہ امریکس باشندہ فلورنس نے اپنے نام پر آپ ہی مشہور کیا اگرچہ اس نام کا مستحق کولمبس تھا جس نے سب سے اوّل اس نئی دنیا کا پتا لگایا جزیرہ ورجینا واقع مُلک امریکہ مبنی بر تاسد اکواری اپنی ملکۂ الزبتھ کے نام نامی پر والٹر ریلی نے اپنی سیاحی کے

ولندیت میں اس جزیرہ کا نام رکھا چونکہ درجن انگریزی زبان میں بمعنی دوشیزہ آیا ہے اور اس ملکۂ پارسا نے تمام عمر شادی نہیں کی تھی اس وجہ سے یہ نام تجویز پایا جس نے یہاں تک شہرت حاصل کی کہ عرب والے جزیرۂ باکرہ - فارس والے جزیرۂ دوشیزہ کہنے لگے انگلینڈ قوم انگل باشندۂ جرمنی کے سبب اس نام سے موسوم ہوا چنانچہ اسی وجہ سے انگریزی اور جرمنی زبان میں بہت کم اختلاف پایا جاتا ہے فرانس قوم فرینک کے سبب اپنا اصلی نام گال چھوڑ کر مشہور ہوا اور ڈنمارک قوم ڈین کے باعث ھالینڈ زمین پہت کی خصوصیت سے اس نام کا مستحق ٹھیرا جزائر ازورز باز پرندوں کی کثرت کے سبب کیونکہ پرتگالی زبان میں باز کو ازور AZORES کہتے ہیں جزیرہ برازیل اسی نام کی تُن کی لکڑی کے باعث جزیرۂ کنیری اسی نام کی مشہور چڑیا کی وجہ سے میہا گنی جہاگنی لکڑی کے سبب - کوہ ھمالہ - البرز - دھولاگری وغیرہ برف یا اُس کی سفیدی کی خصوصیت کے باعث ان ناموں سے موسوم ہوئے مُشتے نمونۂ خروارے یہی نام کافی ہیں -

لیکن جب اسمار یعنی نام بھی تجویز ہو گئے تو اب ایک اور دقت پیش آئی وہ یہ ہے کہ جس وقت آپس میں باتیں کرتے وقت مختلف اسموں کا مجموعہ تو اکٹھا ہو جاتا مگر ان میں باہم نسبت دینے - ربط اور لگاؤ پیدا کرنے والا کوئی وسیلہ نہ ہوتا تھا اس دقت کے رفع کرنیکے واسطے باہم لگاؤ پیدا کرنے والے حروف یا حرکتیں تجویز ہوئیں لیکن فعلوں مصدروں کے بغیر یہ بھی ایک ناتمام لگاؤ رہا پس اب افعال اور مصادر تجویز ہوئے اور ساتھ ہی بعض بعض چیزوں کے شمار کا موقع بھی آنے لگا جسکے سبب اُنگلیوں سے گننے کا کام لینا شروع کیا اوّل اوّل تین اُنگلیوں سے کام نکالا پھر پانچ پھر دونوں ہاتھونکی دس اُنگلیوں سے کام لیتے رہے بلکہ کچھ دنوں پاؤں کی اُنگلیاں بھی شمار میں مددگار رہیں جب اس سے زیادہ

تعداد کا کام پڑا تو انگلیوں کے پوروں کو بھی کام میں لانا شروع کر دیا اور اب آگے
گنتی بڑھانے کی تدبیر سوچنی پڑی چنانچہ روز بروز اس کی بھی ترقی ہوتی گئی یہانتک کہ
ہندوستان جیسے پرانے ملک میں تو کس وڈ - ارب - کھرب نکھرب[۱] - پدم
سنکھ - سمند[۲] یا کودا کود - پلوپم[۳] اور ساگر[۴] تک نوبت پہنچی -
فارس والوں یعنی مہ آبادیوں[۵] نے زیادہ سے زیادہ دس ارب اسی[۶] کروڑ کا ایک
فرد بحساب رفتار و سالِ کیوانی قرار دے کر اس طرح تعداد بڑھائی کہ ہزار فرد کا ایک
ورد ہزار ورد کا ایک مرد - ہزار مرد کا ایک جاد تین ہزار جاد کا ایک واد دو ہزار واد
کا ایک زاد[۷] ٹھیرا کر دنیا کے ایک دورے کی مقدار کو ختم کر دیا - دیگر ممالک میں اس
سے زیادہ گنتی نہیں پائی جاتی وہ سب ہندوستان کے خوشہ چین ہیں -

---

[۱] دس کھرب کی تعداد [۲] دس سنکھ یا کورا کور کی مقدار خواہ مہا سنکھ [۳] دس کورا کور کی مقدار [۴]
دس پلوپم کی مقدار [۵] مہ آباد پارسیوں کے سب سے بڑے پیغمبر کا نام ہے جس پر انکے اعتقاد کے موافق کتاب
دساتیر نازل ہوئی تھی یہ دنیا کے دوسرے دور کا پہلا آدم ہے اس نے از سرِ نو شہر و امصار دیہ و قریات آباد کر کے
طوائف انسان کو چار قسم پر منقسم کیا منوجی کے دھرم شاستر کی اور اس کی تقسیم قریب قریب لفظاً و معنًی مطابق و
یکساں ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم آریہ کے لوگ بھی جو اسی طرف سے آئے ہوئے ہیں اول اول اسی کے انتظام
پر چلے تھے اور وہی تقسیم ان لوگوں نے ہندوستان میں پھیلائی - چنانچہ اسنے اول قسم کے لوگوں کو آئین دین
و قوانین ملت کی محافظت کا نگہبان یعنی ہوبد و زہاد قرار دیکر انکا لقب برما - برمن اور ہود سناد قرار دیا دوسری قسم
کے آدمیونکو جہانداری و حکومت کا پہلوان یعنی سلطانِ وقت ٹھیرا کر انکا لقب چترمن چترمان چتری اور نورستار
تجویز فرمایا - اسلئے کہ یہ لوگ خداوند چتر ہوتے ہیں اور چتر سرداری و ناموری کی علامت ہے تیسری قسم کے اشخاص کو کشاورزی
زراعت پیشہ وری حرفت کا کام دیکر باس کے نام سے ملقب کیا کیونکہ باس بسیار و آبادی کو کہتے ہیں اور یہ فرقہ اوپر کے دونوں فرقوں سے

اس وقت زبان نے یہ ابتدائی مجموعہ بہم پہنچا کر ایک ہونہار صورت پکڑی لیکن جب تک لوگ ایک محدود ملک یا سرزمین میں پڑے رہے اس سے زیادہ ترقی نہ کر سکے جب آبادی بڑھی۔ رہنے کو جگہ نہ ملی اور ادھر اُدھر کے گشت کی سُوجھی تو ہر ایک جگہ نئی نئی بات نئی نئی چیزیں نئی نئی شکلیں دیکھنے میں آئیں۔ اگر ان کے نام وہاں کے اصلی باشندوں سے ہاتھ لگے تو اُنہیں اپنی زبان میں بڑھایا ورنہ اُن کا نام اُن کے اثر یا ساخت یا مشابہت وغیرہ سے تجویز کر کے خاص اپنا کام نکالتے اور اپنے وطن کے لوگوں کو پھر گھر جا کر سمجھانے کی نیت سے جا ہاسو رکھ لیا۔ آبادی کی ترقی کے ساتھ زبان کی بھی ترقی ہوتی گئی۔ جوں جوں زمانہ گذرتا گیا پچھلے الفاظ زبان کے رگڑے کھا کھا کر منجھتے۔ صاف ہوتے اور گھُل گھُل کر سلیس بنتے گئے۔ جس طرح سانپ ہر سال اپنی کینچلی بدل کر نئی نئی پوشاک پہنتا ہے اسی طرح الفاظ بھی خراد پر چڑھ چڑھ کر تراش خراش پاتے اور ہر زمانے کا رنگ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ کثرت تعداد آبادی میں زیادہ ہوا کرتا ہے اسی فرقہ کا نام سود ستار بھی رکھا چوتھی قسم کے دنیاداروں کا کام پیشکاری۔ خدمتگاری۔ ٹہل نوکری۔ ملازمت تشخیص فرما کر سُودین سُودی اور سُود نام ٹھیرایا اس واسطے کہ یہ فرقہ سود یعنی تن آسانی آرام۔ آسایش اور خلائق کی راحت رسانی کا باعث ہے جسے نُور ستار بھی کہتے ہیں گویا اسی تقسیم سے بادشاہ دین بادشاہ دنیا آقا اور خادم کے درجے قرار پائے اسی طرح منوجی نے اپنے دھرم شاستر میں چار ذاتیں قائم کیں اول برھمن یعنی پروہت دوم چھتری سپاہی سوم ویش یعنی اہلِ حرفہ چہارم شُودر یعنی خدمتگار لوگ۔ گو معناً کچھ فرق ہو مگر اصولاً دونوں تقسیموں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

۵۶ زاد سے دنیا کے پھر از سر نو پیدا ہونے کے زمانہ سے مراد ہے یعنی ایک دَور ختم ہو کر دوسرا دَور شروع ہونے کا اخیر زمانہ۔

دکھائے گئے۔ اگر ذرا توجہ سے دیکھا جائے تو بخوبی ثابت ہو جائے گا کہ جن الفاظ کو ہم مردہ یا ایک قالب بے جان تصور کر رہے ہیں یہ سب بڑے بڑے واقعات کا مرقع یعنی ایک زندہ تاریخ اور ہمارے بزرگوں یعنی کل انسانوں کے خیالات۔ عمری واقعات دنیوی و دینی تاریخ۔ ہر زمانے کے اخلاق و رواج اور جملہ سرگزشتوں کا ایک بے حد ذخیرہ ہیں۔ ہر لفظ بالانفراد اپنے اپنے زمانے کی تاریخ اپنے ساتھ لئے ہوئے ہے تصنیف میں تو صرف اُس کے مصنف کے خیالات کا اظہار ہوتا ہے مگر اِن الفاظ میں جس قدر لوگ از آدم تا ایں دم دُنیا پر پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنے اپنے موقع پر لفظ تراشے سب کا فوٹو موجود ہے خوشی۔ جوش۔ ولولہ۔ رنج۔ غم۔ عشق۔ محبت۔ دُکھ۔ درد مصیبت رحم۔ دیا۔ دھرم۔ زور۔ طاقت۔ بل۔ نخوت۔ غرور۔ جنگ و جدل وغیرہ کونسی بات ہے جو اِن الفاظ میں موجود نہیں ہے یہانتک کہ جن الفاظ کو ہم فحش ناپاک لغو اور بس کا بھرا ہوا خیال کرتے ہیں وہ بھی تو ملکی خیالات اور طبائع انسانی کے اظہار سے خالی نہیں ہیں۔ ہندوستانی زبان پر سب سے زیادہ اور بھاری اعتراض یہی ہے کہ اس میں قابلِ شرم الفاظ اور محاورے زیادہ پائے جاتے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم لوگوں کے خیالات قابلِ اصلاح اور ہماری تہذیب ابھی بہت کچھ درستی طلب ہے ہم نے اُن الفاظ کو اپنا تکیہ کلام بنا رکھا ہے جنہیں مہذب ملک کے باشندے زبان پر لانا بھی ایک قومی جرم اور مہذب سوسائٹی کا کبیرہ گُناہ تصور کرتے ہیں۔ خیر یہ دوسری بات ہے

اب ہم مُناسب جانتے ہیں کہ اوّل تمثیلاً دس دس پانچ پانچ ایسے نام الفاظ اور مُحاورے وغیرہ لکھکر دکھائیں جن سے زمانے کی کُچھ نہ کُچھ تاریخ کا پتا چلتا ہو اسکے بعد کوئی سا مُفرد حرف لیکر اُسکی کسی قدر مفصل تفصیل اور باریکیاں پیش کریں اور اخیر پر زبان کے

درجے جتا کر اس مضمون کو ختم کردیں تا اُسکے پڑھنے اور سُننے سے زیادہ طبیعت نہ اُکتائے
اس بات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ دُنیا کے پردے پر جس قدر مُلک آباد ہیں
انہیں سب کے نہیں بلکہ وہاں کے شہروں تک کے نام اُنکے بانی یا اس کے سرگروہ کے
اسمِ مبارک پر رکھے گئے ہیں جس نے سب سے پہلے آکر وہاں بود و باش اختیار کی یا اُس
مورث اعلےٰ کے نام پر جو وہاں فتحیاب ہوا مثلاً برہماورت چونکہ برہمن لوگ قوم آریا
کے پروہت یعنی پیشوائے دین تھے اس وجہ سے جب اوّل ہی اول یہ لوگ پنجاب
میں آئے تو انہوں نے اپنے قومی بزرگوں کے نام پر پنجاب کا نام برہماورت رکھدیا اور تمام
شمالی ہند کو آریاورت کہنے لگے۔ علےٰ ہذا ایران۔ پارس۔ عرب۔ ترکستان۔ خراسان
توران۔ روم۔ کنعان بھارت ورش وغیرہ وغیرہ جس قدر مُلک ہیں یہ سب اپنے اپنے آباد کرنیوالوں
کا نام بتا رہے ہیں ان میں کوئی حضرت آدم کا خلف ہے تو کوئی نوح کا پوتا پڑپوتا یعنی
کوئی شیث بن آدم یا سام بن نوح کی اولاد میں سے ہے تو کوئی حام اور یافث کی
ذرّیات میں سے مثلاً ایران ہوشنگ بن سیامک بن گیومرث بن آدم کا نام تھا پس
سرزمین ایران اُس کے حصے میں آنے کے سبب اِس نام سے موسوم ہوئی پارس جو
ایک نامزد ولایت ہے اُسکے نام سے ظاہر ہے کہ پارس بن پہلو بن سام بن نوح اس پر
قابض تھا۔ عرب بمعنی لٹیروں کا مُلک، چنانچہ اسی رعایت سے فارس والوں نے اس لُغت
کا ترجمہ تازی یعنی تاخت و تاراج کرنے والوں کا مُلک قرار دیا چونکہ یعرب ابنِ قحطان ابن
سام ابن نوح نے سب سے اول عربی زبان کی بُنیاد ڈالی اور اس مُلک کی آبادی میں کوشش
فرمائی اِس وجہ سے بعض لوگ اِس ملک کے نام کو اُس کی طرف بھی منسوب کرتے ہیں
ترکستان ترک بن یافث بن نوح کے سبب اس لقب سے ملقّب ہوا خراسان سام بن نوح کے

بیٹے کا نام تھا چونکہ اوّل میں اُسنے اس مُلک کو آباد کیا لہذا اُسی کے نام سے مشہور ہوگیا
تُوران جو ایک پُرانا مُلک ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ فریدون نے اپنے بڑے بیٹے تُور
کو یہ مُلک دیا تھا جس کی وجہ سے یہی نام پڑگیا۔ رومہ رمولس نامی بادشاہ کے بسانے
سے اِس نام کے ساتھ نامزد ہوا۔ رمولس لاطینی قوم میں سے ایک ولدالزنا شخص تھا جس کے
نانا نے اس سرزمین میں اُسے اپنے واسطے شہر آباد کر لینے کی اجازت دی تھی یہ شہر سنہ
عیسوی سے پانچ سو برس پہلے آباد ہوا کنعان[1] حام بن نوح کے چھوٹے بیٹے کا نام تھا
جس کے گیارہ بیٹوں نے اِس سرزمین کو آباد کیا تھا فِلسطین بھی قوم فِلسطین کے سبب
اسی کے نام مشہور ہوگیا تھا بھارت ورش راجہ بھرت کے سبب مُلک ہند کا نام کہلایا
بھوٹان قوم بھوٹ کے باعث خاندیس بھیلوں کی قوم کھاند کے سبب اس نام سے
موسوم ہوا کیونکہ اصل میں یہ نام کھاند دیش تھا۔ دو ہم مخرج حرفوں میں ایک حرف دال
گر کر کے کھاندیس ہوا مُغلیہ سلطنت والوں نے اپنی کتابوں میں خاندیس درج کر دیا۔
غرض جس طرح ملکوں کے نام اپنے اپنے ملک کی ابتدائی تاریخ آپ ہی بتا رہے ہیں
اسی طرح بہت سی رسمیں۔ مذہبی تیوہار۔ محاورے۔ کہاوتیں۔ ذاتی صفاتی نام اسمائے
مذاہب وغیرہ بھی اپنی اپنی تاریخ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہیں چنانچہ بطور تمثیل بلا ترتیب
و بلا قید زمانہ ہم اس جگہ اپنے قول کی تصدیق کے واسطے چند مثالیں لکھتے ہیں۔
کناگت۔ جو ایک عام مشہور شرادھ کی رسم جتانے والا لفظ ہے اپنے نام سے ظاہر
کر رہا ہے کہ یہ نام راجہ کرن کے زمانے سے پڑا اور کرناگت سے کناگت ہوگیا۔
راجہ کرن کا پہرا یعنی وقت صبح صادق۔ یہ محاورہ بتا رہا ہے کہ راجہ کرن

---

[1] حضرت نوح کے نافرمان بیٹے کا بھی یہی نام تھا ۱۲

بہت سویرے اُٹھنا اور سُورج نکلنے سے پہلے پہلے دان پُن کر کے فارغ ہو جایا کرتے تھے

نوح حضرت نوح کا اصلی نام شکر تھا چونکہ آپ اپنی قوم کے بد افعال پر بہت رویا کرتے تھے اس سبب سے آپ کا لقب نوح یعنی نوحہ کرنے والا پڑ گیا جو اُن کی دلی ہمدردی کی ہمیشہ زندہ رہنے والی یادگار ہے۔

بخت نصر[1] بابل کے ایک جبّار و ظالم بادشاہ کا نام ہے جس نے بیت المقدس کو مسمار کیا تھا۔ چونکہ بوخت بمعنی فرزند اور نصر ایک بُت کا نام ہے جس پر اُس کے باپ نابوپلاسا نے چڑھا دیا تھا پس اس وجہ سے نصر کا بیٹا یعنی بخت نصر مشہور ہو گیا بختی اُونٹ اسی کا ایجاد ہے کیونکہ اُس نے عرب کی اُونٹنی سے عجم کے اونٹ کا جوڑا لگا کر دراز قد اُونٹ نکلوائے تھے جن کی نسل آج تک عرب میں اسی نام سے چلی آتی ہے یہ بادشاہ ۶۰۶ برس پیشتر حضرت عیسیٰؑ سے موجود اور کیخسرو بادشاہ ایران کا ہمعصر تھا

[1] چونکہ فرہنگ نویسوں کو اس کے باپ کا نام معلوم نہیں ہوا اس وجہ سے انہوں نے اس کے نام میں یہ تاویل کی کہ اس کو چونکہ نصرت کے مندر میں سے پایا تھا۔ باپ کا نام نہ جاننے سے بوخت نصر یعنی نصر کا بیٹا مشہور کر دیا۔ حالانکہ اس کے باپ کا نام نابوپلاسا صاف لکھا ہوا موجود ہے بوخت نصر ہونیکی وجہ یہ ہے کہ جس طرح ہندوستان میں دیوی دیوتا۔ ولی۔ پیر۔ پیغمبر وغیرہ کی منت اکثر بے اولادے مانا کرتے ہیں اور بچہ ہونیکے بعد انہی کے نام سے موسوم کر دیا کرتے ہیں اسی طرح بخت نصر کے باپ نے بھی کیا تھا۔ اکبر نے جہانگیر کا نام سلیم شاہ کیوں رکھا تھا؟ اسی وجہ سے کہ ایک درویش کا یہ نام تھا جس سے اکبر کو نہایت اعتقاد تھا احمد شاہ کا نام احمد شاہ ابدالی یا احمد شاہ درّانی کیوں ہوا؟ صرف درویشوں کی عنایت سے۔ ہندوستان میں درگا چرن کالکا داس کنھیا لال۔ وغیرہ نام کیوں رکھے جاتے ہیں صرف یہاں کی دیوی دیوتا سے۔ پس اسی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اس کا نام بھی نصر کا لال یا نصر کا غلام یا بیٹا وہاں کے محاوروں کے موافق رکھدیا گیا

آئینہ سکندر۔ اُس آئینہ کا نام ہے جسے سکندر اعظم نے بنوا کر شہر اسکندریہ کے مینارہ پر بخوف اہلِ فرنگ اُن کی فوج کے حالات دیکھنے کی غرض سے نصب کیا تھا اور اُس کے وسیلے سے شہر استنبول تک کی کیفیت نظر آجایا کرتی تھی۔ اب جو اسکندریہ شہر ہے یہ اصل اسکندریہ کے اُوپر اُس کے دب جانے کے بعد بنایا گیا ہے رحال کے محقّق اُسے کھود کر نکالنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔

نوشیروان۔ بمعنی جانِ شیریں یعنی ہر دلعزیز۔ ایران کے بادشاہ کسرےٰ کا صفاتی نام ہے جو اس کی خوش خُلقی اور معدلت گستری کو آج کے دم تک یاد دلا رہا ہے

مُرغ سلیمان۔ ہُدہُد کا نام اس وجہ سے قرار پایا کہ اس نے حضرت سلیمان علیہ السلامؑ کو شہر سبا اور بلقیس کی خبر لا کر دی تھی۔

مرغ عیسیٰ۔ خفّاش یعنی چمگادڑ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مُعجزے کی یادگار ہے

زمزم۔ یہ چشمہ اپنے نام سے بیوی ہاجرۂ اور حضرت اسمٰعیلؑ ابن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیدا ہونے کا قصہ یاد دلاتا ہے۔

لکھ داتا۔ قطب الدین ایبک کی فیّاضی کا یادگار لقب ہے۔

اورنگ زیبی پھوڑا۔ اِس امر کی یاد دلا رہا ہے کہ جب عالمگیر عُرف اورنگ زیب سلطانِ ہند نے ابوالحسن تاناشاہ بادشاہ گولکنڈہ کے مُلک کا مُحاصرہ کیا اور مُحاصرہ کی مدّت زیادہ ہوگئی تو بسبب اجتماعِ لشکر و اختلاف آب و ہوا لشکر والوں کے خون میں سودائے غیر طبعی کا مادّہ غالب ہوگیا اور یہ پھوڑا اکثر اہل لشکر کے نکل آیا جس کے سبب سے اورنگ زیبی پھوڑا کہلانے لگا۔

داؤد خانی گیہوں یعنی سفید گیہوں جب داؤد خان جو اُمراءِ محمد شاہی میں سے

ایک مشہور نواب تھے۔ حج کو گئے تو ملک مصر کے سفید گیہوں اپنے ساتھ بطور سوغات بادشاہ کے واسطے لائے اور ہند میں انہیں بو کر گیہوں کی یہ موجودہ قسم بڑھادی۔ پس انہی کے نام سے یہ گیہوں مشہور ہو گئے۔

گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ اس کہاوت سے راجہ رامچندر اور راون کے بھائی بھبھیکش کا تاریخی قصہ معلوم ہوتا ہے۔

ہنوز دلّی دور ہے اس سے غیاث الدین تغلق اور حضرت نظام الدین اولیاء کا وہ معاملہ معلوم ہوتا ہے جس میں اُس نے بنگالہ سے واپس ہوتے وقت قاصد کے ہاتھ کہلا بھیجا تھا کہ آپ میرے پہنچنے سے پہلے پہلے دہلی سے نکل جائیں اس کے جواب میں حضرت ممدوح نے صرف ہنوز دلّی دور است کہدیا تھا اور حسب اتفاق وہ کوشک تغلق کے گرنے سے قبل از ورود دہلی دب کر مر گیا تھا۔

چام کے دام۔ اس مثل سے نظام سقّہ کی ڈھائی دن کی بادشاہی شیر شاہ اور ہمایوں کی بھاری لڑائی کا سماں بندھتا ہے۔

خانخانان جن کے کھانے میں نبا نا اس کہاوت سے عبدالرحیم خاں سپہ سالار اکبری کی فیاضی اور دریادلی ظاہر ہوتی ہے علی ہذا لکماویں میاں خانخانان اُڑاویں میاں فہیم۔

سوت کی انٹی اور یوسف کی خریداری۔ یہ کہاوت حضرت یوسف کیوقت کی ایک مشہور حکایت کی یاد دلا رہی ہے۔

بارہ وفات اس سے ہمارے رسول مقبول صلعم کے زمانہ وفات کی ایک خاص بات معلوم ہوتا ہے۔

عشرہ اس افسوسناک لفظ میں کربلا کے سخت بے رحمانہ واقعہ کی تاریخ صفحۂ ہستی

پر ہمیشہ قائم و ثابت رہے گی۔

پرسیاؤشان۔ اس بوٹی کے نام سے سیاوش کے قتل کا قصّہ جسے افراسیاب نے مارا تھا تازہ ہوجاتا ہے۔

سلیم شاہی جوتا۔ یہ شہزادۂ سلیم ابن معین الدین محمد اکبر شاہ ثانی کی ایجاد کی یادگار ہے۔

مکہ۔ پارسیوں کے بیان کے موافق اس بات کو یاد دلاتا ہے کہ یہ لفظ اصل میں مہ اور کہ سے مرکب ہے یعنی خانۂ ماہ۔ چونکہ اس جگہ چاند کی مُورت کا مندر اور مہ آباد کا صومعہ تھا اس وجہ سے یہ نام ہوگیا درحقیقت پارسی لوگ چاندی سونے اور پتھر کی آراستہ اور سجی ہوئی سیّاروں کی مورتیں اپنے معبدوں میں رکھا کرتے تھے

ھند۔ یہ لفظ اس امر کی تاریخ ظاہر کرتا ہے کہ ہندوستان کا یہ نام سکندر اعظم کے وقت سے قرار پایا ورنہ اس سے پیشتر اس ملک کو بھارت ورش یعنی راجہ بھرت کا مُلک کہتے تھے۔ ہند کی اصل سندھ ہے چونکہ حملات مغربی و مشرقی کے موقع پر اس ملک پر چڑھ کر آنے والوں کو اول اول دریائے سندھ سے پالا پڑا اس وجہ سے وہ اِس تمام مُلک کو سندھ اور اس کے باشندوں کو سندھو کہنے لگے پس سین مہملہ اور ہائے ہوز کا حسبِ قاعدہ باہم بدل ہوکر ہند اور ہندو ہوگیا۔ سکندر یونانی کے ساتھیوں نے اپنی زبان کے موافق اس دریا کو انڈس کہا اور اسی مناسبت سے مُلک کا نام انڈیا تجویز کیا جو اُس زمانہ سے آج تک تمام یُورپ میں اسی نام سے مشہور ہے۔

اِصفھان اِس امر کی یادگار ہے کہ اس جگہ فریدون نے اپنی چھاونی ڈال کر اس کا نام اسپاہان رکھا اہل عرب نے معرب کرکے اصفہان بنا لیا۔

قاہرہ - اس امر کی یادداشت ہے کہ ۳۵۸ھ میں المعز الدین اللہ خلیفۂ فاطمی مغربی کے سپہ سالار جوہر نامی نے ملک مصر کو قہر و غلبہ سے فتح کر کے اِس فتح کی یادگار کے واسطے یہ شہر بسایا تھا۔

بغداد - اس ملک کی یاد دلاتا ہے کہ وہاں نوشیرواں عادل ہفتہ وار دربار عام فرما کر مظلوموں کی داد دیا کرتا تھا یہ لفظ اصل میں باغ داد تھا - اس مقام پر ایک باغ میں نوشیرواں کی عدالت کا مکان بنا ہوا تھا چنانچہ اسی نام سے شام کا وہ شہر بلکہ صوبہ بھی مشہور ہوگیا۔

ناسک - اُس مقام کا نام ہے جہاں لچھمن جی نے سروپ نکھا راون کی بہن کی ناک کاٹی تھی یہ مقام احاطۂ بمبئی میں احمد نگر کے قریب بمبئی سے ۹۰ میل گوشۂ شمال و مشرق کی طرف دریائے گوداوری کے بائیں کنارے پر اب تک آباد ہے اور وہاں ایک بڑے بھاری مندر میں ناک کٹا ہوا ایک بُت رکھا ہے ہندو اس جگہ کو تیرتھ مانتے ہیں - رامچندر جی کے زمانہ میں اس کا نام پنچوٹی تھا چونکہ سنسکرت زبان میں ناک کی جگہ کو [illegible] کہتے ہیں لہذا اس معاملہ کے سبب یہی نام پڑ گیا۔

دھلی - اس نام سے راجہ دہلو کی تاریخ معلوم ہوتی ہے چونکہ دہلی کے راجہ اکثر قنوج کے تابع اور باج گزار رہے ہیں اس وجہ سے راجہ دہلو والئی قنوج نے اندرپرست[۱] میں اپنے نام پر یہ شہر آباد کیا - اول میں اس کا نام دہلو ہی مشہور تھا چنانچہ امیر خسرو دہلوی کے اس شعر سے بھی جو انہوں نے جلال الدین فیروز شاہ کو خطاب کر کے لکھا ہے یہی ثابت ہوتا ہے ~

یا یک اسپم بخش یا ز آخور بفرما بارگی ۔۔۔ یا بفرماں دہ کہ گردوں شینم و دہلو روم

[۱] مشہور اندرپت ہے ۱۲

یہ راجہ پوروائی کمایوں کا ہمعصر تھا اور اُسی کی لڑائی میں مارا گیا جسے ۳۲۶ برس قبل عیسوی کا زمانہ کہنا چاہیئے اِس راجہ کے مرتے ہی سکندر ہند میں پہنچا تھا۔ اسی طرح قسطنطنیہ قسطنطین بادشاہ کی یادگار۔ روس روک قزاق کی یادگار لودھیانہ سکندر ابن بہلول لودھی کی یادگار الہ آباد جلال الدین اکبر کے مذہب الٰہی اختراع کرنے کے زمانہ کی یادگار شیر منڈل شیر شاہ کی یادگار سلیم گڈھ اسلام شاہ بن شیر شاہ کی یادگار لاھور راجہ رامچندر کے بیٹے لاہو کی یادگار ہے ان کی مفصل کیفیت بخوف طوالت قلم انداز کی جاتی ہے۔

اکثر ملکوں کے نام سمتوں اور اُن کی آب و ہوا کے لحاظ سے تجویز ہوئے ہیں جیسے لفظ جاپان لفظ نپان[1] بمعنی مشرق سے بنا ہے ایشیا[2] الیسٹ بمعنی مشرق یا ایش بمعنی گرم سے مستنبط ہوا افریقہ اے حرف نفی اور فریگس بمعنی سرد سے بنایا گیا یعنی وہ ملک جو سرد نہیں بلکہ گرم ہے یورپ ایرب بمعنی مغرب یا یوروپا ایک شہزادی کی اُس مورت کے سبب جو سفید سانڈ کی صورت میں بنا کر جزیرہ قریطش میں لائی گئی تھی یہ نام قرار پایا۔

اسمائے مذاہب بھی اپنے اپنے نبیوں اور بانیوں اور اُن کے زمانے کو مع طریق مذہب و خیالات جتا رہے ہیں مثلاً موسوی حضرت موسیٰ کے زمانے اور اُن کے احکام کو ظاہر کر رہے ہیں عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات کو محمدی حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے اور اُن کے اخلاق کو دکھا رہے ہیں علے ہذا وشنی جو وشنی کے ماننے والے ہیں جینی جو جین مت پر چلنے والے ہیں سکھ جو گرو نانک کی سکھشا پر عمل کرنے والے ہیں سنگھ وہی سکھ لوگ جنہیں گرو

[1] جاپانی اسے نپان ہی کہتے ہیں [2] ایشیا اور افریقہ لاطینی زبان کے لفظ ہیں اور یورپ یونانی زبان کا لفظ

گوبند سنگھ صاحب نے اپنی مذہبی اور قومی حفاظت کیواسطے سنگھ بمعنے شیر یعنی بہادر کا لقب دیکر جنگی فرقہ یا والینٹیر بنا دیا تھا اور دہنپتھی جو داؤد کے اقوال پر چلتے ہیں کبیر پنتھی جو کبیر داس کے سلجھے ہوئے مولانا آئی بھجنوں پر مفتون ہیں یہ سب دنیا کی تاریخ میں دل کھول کر مدد دے رہے ہیں۔

ان مرکب اسموں محاوروں کہاوتوں وغیرہ سے فراغت پاکر ہم ایک ہندی مفرد حرف کی کیفیت بھی دکھانی چاہتے ہیں اگر آپ صرف گھ ۃ کو ملاحظہ فرمائیں تو معلوم ہو جائے کہ اس ایک ادنیٰ سے مفرد خواہ مرکب حرف نے حرکات ثلاثہ یعنی زیر زبر پیش کی حالت نیز مرکبات کے موقع پر اپنی اصلیت یعنی لغوی حقیقت و ماہیت کو کہاں کہاں بنایا اور کن کن صورتوں سے قائم و برقرار رکھا ہے آپ کو معلوم ہے کہ گھ ۃ ہندی الف بے تے کا چوتھا حرف صحیح ہے جسکے لغوی معنی سنسکرت لغت میں گھر گھر سے مشابہ آواز کے ہیں جس میں گھر گھراہٹ اور گھنٹے کی آواز بھی شامل ہے دوسرے معنی گھٹ بمعنی بطون۔ اندر۔ بھیتر۔ اسی سے گھڑا بمعنی سبوچہ یعنی وہ ظرف جس کے اندر پانی رہے قرار پائے تیسرے معنے گھاگرا۔ لہنگا۔ شاید گھیر کی وجہ سے ٹھیرے۔ چوتھے معنے چھینٹا پانی کا چھپکا۔ پانچویں معنے مار پیٹ چھٹے معنے نشان۔ دھاری۔ بدھی۔ لکیر۔ ساتویں معنی بھگانا۔ گریزاں کرنا مقرر ہوئے مگر ہر زبان کو فلسفانہ نظر سے دیکھنے والے لغوی معنی کی پیروی نہ کرکے حرف گھ کی آواز سنتے ہی کہہ دینگے کہ اوّل تو یہ حرف گ ہ اور ۃ دو آوازوں سے مرکب ہے گ وہ مفرد حرف یا آواز ہے جسکے لغوی معنی واضع لغت نے گانے۔ جانے اور روانی کے قرار دئے۔ اسی سے صرف گانے والا یا دیوتا کے گیت گانے والا اصطلاحی معنی ہوگئے اگر اس حرف کو بھی ذرا غور سے دیکھیں تو یہ بھی اپنے قدرتی کرشموں سے خالی نہیں ہے۔ ان لغوی معانی کی مناسبت سے بہت سے معنے پیدا ہوگئے مثلاً گمن۔ گم گونا۔ جاترا۔ جانا۔ کی اصل بھی یہی ہے۔ کیونکہ گاف اور جیم کا برابر ہر ایک زبان میں باہم بدل ہوتا آیا ہے جانا مصدر سے ماضی مطلق کا صیغہ گیا اسی قاعدہ کا ثبوت دے رہا ہے۔ دریا۔ گوئیے کے اُتار چڑھاؤ کے معنے اسی نسبت سے نکلے۔ بال اُڑجانے کی بیماری یعنی گنج اور بالخورے کے معنے۔ بربادی۔ تباہی اور اُجڑنے کے معنے اسی سے نکالے گئے گنگ اور گنگا کی اصل سنسکرت لغات والوں نے اسی وجہ سے

گاف کو ٹھیرایا عجب نہیں جو گھاگرا۔ گومتی۔ گنڈگ۔ گوداوری اسی لحاظ سے نام رکھے گئے ہوں اور گنگوتری پہاڑ کا یہ نام بھی جس سے دریائے گنگا نکلا۔ اور عام لوگ اسی وجہ سے اُس کا نام گنگا گنگا پکار رہے ہیں اس گاف ہی کے سبب سے ہوا ہو۔ ورنہ اس کا نام [1]بھاگیرتی پایا جاتا ہے گرہ دینے۔ گٹھ جوڑا لگانے کے معنے بھی اسی حرف سے مُستنبط ہوئے۔ کیونکہ گرہ لگا کر جوڑنے یعنی ملا کر یکساں کرنے میں بھی ایک طرح کی روانی پائی جاتی ہے گاف کے جن لفظوں میں روانی یا کسی قسم کے سُر کی کیفیت پائی جائے اُنہیں اپنی اصل پر قائم تصور کرنا چاہئیے چنانچہ گاف کے جس قدر لُغت ہیں اُن میں کچھ نہ کچھ لُغوی مناسبت ضرور پائی جاتی ہے دیکھو گائے۔ گو۔ جو ایک چرند کا نام ہے اپنے نام سے چلنا ثابت کر رہا ہے گاڑی۔ گت یعنی گزرتی ہوئی حالت یا ناچنے کی حرکت گج یعنی ہاتھی۔ گجر بجنا۔ گدگدی۔ گرنا۔ گراؤ۔ گڑونا۔ گڑنا۔ گنڈاسا وغیرہ سب سے روانی پائی جاتی ہے گیت۔ گاجنا۔ گٹکری۔ گرجنا۔ گڑگڑ۔ گڑگڑاہٹ وغیرہ سے گانا ثابت ہوتا ہے چونکہ دریا پانی اور تری سے تعلق رکھتا ہے اس سبب سے گیلا۔ گارا۔ گلگلا وغیرہ بھی اپنی اس اصل سے جدا نہیں ہے۔

ہ یعنی گھ کا دُوسرا جزو یہ وہ مفرد آواز یا حرف ہے جو اکثر وزن کے واسطے زاید آیا کرتا کبھی ندا کبھی ظہور وغیرہ کے معنے دیا کرتا ہے جس کے ترکیبی معنی آواز کو پرگھٹ یعنی ظاہر کرنے والا خواہ گانے سی آواز جتانے والا حرف ہوئے۔

یہانتک تو ہم نے لُغوی مُفرد اور مرکب معنی کی پَیروی کی اب ہم اِس پَیروی کو چھوڑ کر حرف کی آواز اور اُس کے مخرج پر نظر ڈالتے ہیں سنسکرت زبان کے مخارج حروف کے لحاظ سے گ اور ہ دونوں حرف کنٹھی یعنی حلقی ہیں۔ مگر حرف گ۔ گھ کی نسبت گھاٹی یعنی نشیب میں پڑا ہوا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر لُغت یا محاورے اس حرف سے مرکب ہونگے اُن سب میں معانی ذیل جو اس حرکت کے خاصۃ میں داخل ہیں کچھ نہ کچھ ضرور پائے جائینگے مثلاً (۱) پستی

[1] ہندی تاریخوں میں مذکور ہے چونکہ راجہ بھاگیرت جنکے بڑے بڑے جگ مشہور ہیں گنگاجی کو سُرگ سے پرتھی پر لائے لہذا بھاگیرتی نام پڑ گیا

نشیب۔ گہرائی۔ ڈھلان۔ ڈھلاؤ وغیرہ جیسے گھاٹ۔ گھاٹی۔ گھاؤ۔ گھائل۔ گھائی۔ گھالنا بمعنے
اندر ڈالنا وغیرہ وغیرہ (۲) موڑ۔ چکر۔ پیچیدگی۔ دور۔ گولائی۔ حلقہ۔ گروہ وغیرہ جیسے گھونگا۔ گھلی
گھونگٹ۔ گھیر۔ گھیرا۔ گھمیر۔ گھومنا۔ گھنڈی۔ گھنگرو۔ گھونگروالے بال۔ گھاگرا۔ گھرنی۔ گھماؤ
گھونٹنا۔ گھرّا جو آنکھوں میں لگایا جاتا ہے گھونسا جو مٹھی باندھ کر مارا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ (۳)
خرّاٹوں کی سی آواز۔ گھڑگھڑاہٹ۔ صدائے مطلق جیسے گھڑگھڑ۔ گھڑگھڑاہٹ۔ گھنٹہ۔
گھنٹی۔ گھرّا یعنی مرتے وقت کی آواز۔ گھڑیال۔ گھگّی حالتِ خوف کی آواز وغیرہ وغیرہ (۴) رگڑ۔
خراش سحق۔ جیسے گھسّا۔ گھسنا۔ گھسیٹن۔ گھسیٹنا۔ کھنیلا وغیرہ وغیرہ (۵) کثرت۔ افراط۔ بہتات
جیسے گھنا۔ گھن کی چوٹ اسی سے بنا ہے گھان۔ گھمسان۔ گھن چکر۔ گھنگھور[۱] گھٹا یعنی ابرِ غلیظ و
تیرہ وغیرہ۔ (۶) قلّت۔ کمی عسرت تنگی۔ وغیرہ جیسے گھاٹا گھٹتی۔ گھٹنا۔ گھڑی بھی گھٹنا سے ہے
کیونکہ گھٹی سنسکرت میں اسی معنی میں آیا ہے اور یہ لفظ اُسی سے بنایا گیا ہے (۷) انقباض گھٹاؤ
بستگی۔ گرفتگی۔ غلظت وغیرہ جیسے گھٹنا چنانچہ دل گھٹنا۔ دم گھٹنا۔ دھواں گھٹنا وغیرہ بولتے
ہیں۔ گھونٹنا جیسے گلا گھونٹنا۔ دم گھونٹنا وغیرہ۔ گھونٹ۔ گھٹاؤ۔ گھمس۔ گھور[۲] گھوری۔ گھورا
گھن[۳] گھناؤنا۔ وغیرہ وغیرہ (۸) محدودیت۔ گھیر۔ انحصار وغیرہ جیسے گھر مکان محدود۔ گھٹا بمعنی
گھرا ہوا بادل۔ گھرنا وغیرہ وغیرہ (۹) پوشیدگی۔ پنہانی۔ خفا۔ مخفی۔ پوشیدہ وغیرہ۔ جیسے گھٹ بمعنے
اندر خواہ بطون۔ پڑگھٹ۔ جو ظاہر ہو۔ گھات چھپ کر بیٹھنے کی جگہ۔ گھن وہ کیڑا جو لکڑی وغیرہ
کے اندر رہتا ہے۔ چنانچہ گھن لگنا اندرونی بیماری کو اسی وجہ سے کہتے ہیں۔ گھنا گھنّی گھنی سادھنا وغیرہ

---

[۱] گھنگھور مرکب ہے گھن بمعنی ابر و کثرت۔ گھور بمعنی گھِرنا سے چونکہ اکثر پیش زبر سے۔ زیر پیش سے بدل جاتا ہے اس
وجہ سے گھِرنا سے گھور ہو گیا جس طرح کھلانا سے کھلانا چھپانا سے چھُپانا۔ کھِلنا سے کھُلنا۔ بمعنی زیب دینا ٹٹ پونجیا
سے ٹُٹ پونجیا۔ مکھ سے مکھی یعنی منہ پر بیٹھنے والی۔ اکھّو مکھو وغیرہ الفاظ بن گئے [۲] گھور بمعنی چرک وغیرہ
میں غلظت پائی جاتی ہے [۳] گھِن اصل میں گھِر تھا چونکہ رائے مہملہ اور نون کا باہم بدل ہے جیسے جنم اور جرم پھِر
اور پھِن۔ پس گھِر سے گھن ہو گیا جس سے انقباض اور نفرت کی صورت ظاہر ہے ۱۲

اِن الفاظ سے بھی یہی معنی ثابت ہیں (۱۰) میل۔ ملاؤ۔ آمیزش۔ آمیختگی وغیرہ جیسے گھولنا۔ گھلانا گھولوا۔ گھچ پچ وغیرہ (۱۱) ضرب۔ مار۔ چوٹ۔ گھڑنتا گھڑنت وغیرہ جیسے گھڑنا بمعنی ہٹنا یا پیٹ کر کوئی چیز بنانا۔ گھڑت گھڑا یعنی گھڑ کر بنایا ہوا مٹکا۔ گھڑیا وغیرہ۔

الغرض حرف گھ کی آواز صاف کہے دیتی ہے کہ گہرائی کا گُن مجھ میں ہے گھیرنے اور گھیر کر لانے کا وصف مجھ میں۔ نہ تو میں اُس آواز سے جدا ہوں جو گہرے پانی میں ڈوبنے سے مثل گھپ یعنی غپ پیدا ہو۔ نہ اُس احاطہ سے باہر ہوں جو کسی قسم کی آواز کو گھیر گھونٹ کر نکالے مرتے وقت کا گھرا مجھ سے نکلا ہے۔ اور آنکھوں میں لگانے کا گھونٹ کر بنایا ہوا گھر اُمجھ سے بنا ہے۔ یعنی جس قدر معانی اوپر بیان ہوئے سب مجھ سے ہی پیدا ہوئے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک حرف اپنی اصلی صوت۔ اصلی مادہ اور لغوی معنی سے حرکات کنایات وسکنات ومختلف صورتوں کے بدل جانے پر بھی جدا نہیں ہو سکتا یعنی وہ اپنی ہیئت اُولیٰ کو برابر ظاہر کیئے جاتا ہے چنانچہ اسی بنا پر ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ اگر اول میں کسی جنگ کے موقع پر یہ حرف بنا تو چھریوں سے دشمنوں کے گلے کاٹنے کی گھڑ گھڑاہٹ نے اس آواز کو ہمیں سکھایا۔ اور جو اوپر سے پانی گرنے کی صدا نے یہ حرف قائم کرایا تو اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حرف گھ کی آواز خود نشیب پستی اور گہرائی میں جانے والی آواز کا پتہ دے رہی اور جو کہیں دشمنوں میں گھر جانے کے موقع پر اِس حرف کا اختراع ہوا تو اِس سے بھی ایک دائرے کی صورت میں محارو دیعنی محصور ہو جانے کی علامت ظاہر ہوتی ہے۔

اگر ہم حرف گھ کے تمام لغات ومحاورات کو جمع کر کے نظرِ تعمق سے دیکھیں اور ذہن رسا کو اس کی ساخت تک پہنچائیں تو ہمیں اِن تین موقعوں کے علاوہ جن کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے اور بھی بہت سی باتوں کا پتا لگ سکتا اور ایک عمدہ نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے یہ تو ہم نے صرف بطور تمثیل ایک چھوٹا سا یک حرفی چمن لگا کر دکھا دیا ہے زیادہ خوض کرنے والے اگر چاہیں تو اسی بنیاد پر اونچی اونچی دیواریں اُٹھاتے چلے جائیں۔

علمِ زبان سے آدمی اپنے آپ کو ایک نئی دنیا میں دیکھتا اور عجیب عجیب چھپے ہوئے اسرار پاتا ہے لیکن اگر وہ کسی ایسے سیاح کی طرح اس انوکھی دنیا سے گذرے کہ تمام تاریخی واقعات سے بھرے ہوئے مقاموں اور میدانِ جنگ کے مقتولوں کو سرسری نظر سے دیکھتا ہوا بے خبری کے عالم میں اپنے راستے کی دُھن باندھے چلا جائے تو اُسے کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا جاہل سے جاہل اور ادنےٰ سے ادنےٰ لوگوں کے الفاظ عمدہ عمدہ تیجوں کے بھرے ہوئے زندہ مخزن اور مُنہ سے بولتے ہوئے خزانے ہیں لیکن افسوس ہے کہ اپنی مہک سے مست کر دینے والے خوشنما پھولوں کو ہم اپنے پاؤں سے روندرہے ہیں۔ اور نہیں جانتے کہ یہ کیا ہیں۔

جس طرح پُرانی بوسیدہ ہڈیاں۔ ٹوٹے پھوٹے کھنڈر۔ گرے پڑے مکان۔ متحجر شدہ ٹھٹریاں۔ ہمیں پُرانے حالات۔ اُس زمانے کی صنعت اور خیالات وغیرہ سے آگاہ کرتی ہیں۔ اسی طرح پُرانے لُغت اور الفاظ بھی اپنے اپنے زمانے کی عمدہ قابلِ قدر تاریخ سُناتے ہیں یعنی مُلکی واقعات۔ گذشتہ حالات ان سے معلوم ہوتے ہیں۔ دیس دیس کی رسموں کا پتا اِن سے لگتا ہے جنگ وجدل کی کیفیت اُس کے ڈھنگ اُن سے کھُلتے ہیں ہر زمانے کے ہتھیاروں کا پتہ اِن سے چلتا ہے۔ اُن ہتھیاروں کی آواز اُن کے خاص خاص کام اِن سے معلوم ہوتے ہیں۔ بہادروں کی للکار کا نمونہ یہ ہیں۔ نامرادوں کی دردناک واویلا کا سماں اِن میں ہے۔ غرض خصائصِ مُلک۔ آب وہوائے مُلک طبائع باشندگانِ مُلک دلی ارادے۔ دماغی توہمات۔ دانائی اور نادانی کی شناخت۔ اتحاد وفساد کی علامتیں۔ دنیا کی ابتدائی حالت۔ مُختلف حکومتوں کا اثر۔ زمانوں کا انقلاب۔ راگوں کے سُر۔ زبانوں اور دیگر اعضا کی ساخت۔ خاص خاص حروف کے مخارج سے ادا نہ ہونے کا سبب۔ سماعت کا فرق۔ آوازوں اور زبانوں کا اختلاف۔ حرفوں کا باہم بدل۔ اُن کا گرنا یا نئی آواز پیدا کرنا یہ ساری باتیں ان سے حاصل ہوتی ہیں گویا ایک ایک حرف۔ ایک ایک لفظ۔ اپنے اپنے زمانے اور اپنے اپنے مُلک کا ایک ایک صحیح فوٹو یا مرقع عالم ہے اگر خوش نوا۔ طبعِ نقاد اور

دل شناسا نہو تو اس میں ان کا کیا قصور ہے بقول شخصے ؎
گوشِ شنوا نہیں اِس باغ جہاں میں غافل ؎ ورنہ ہر برگ ہے یاں نغمہ سرائی کرتا
جس طرح انسان کی عُمر کے چار زمانے ہیں اسی طرح اُس کی زبان کے بھی چار ہی درجے ہیں اول درجہ یعنی اُس کا زمانہ طفلی وہ ہوتا ہے جس میں صرف آوازوں یعنی اعرابوں۔ حرکتوں۔ اسموں۔ ضمیروں۔ صفتوں وغیرہ سے کام لیا جاتا ہے اِس زمانے میں جو الفاظ وضع ہوتے ہیں وہ اپنی اصلی بھولی بھالی حالت۔ ٹھیک ٹھیک اور سیدھی سادی ہئیت لُغوی کیفیت اور معانی کو جوں کا توں برقرار رکھتے ہیں۔ اس کے بعد جوانی آتی ہے اس میں ابتدائی زبان لُغات والفاظ کے سیدھے سیدھے معنوں سے گریز شروع کرتی اصطلاحی اور مجازی معانی پر ہاتھ ڈالتی ہے نئی نئی تراش خراش بہم پہنچاتی۔ جوانی کی ترنگ میں آکر وہ وہ محاورے اور روزمرّے تیار کرتی ہے کہ ایک شہر والے دوسرے شہر والوں کے سامنے گونگے اور بہرے بنے بیٹھے رہتے ہیں کوئی اجنبی اِن محاوروں کے مقابلے پر کھڑا نہیں ہوسکتا تمام ولولہ انگیز۔ جوش افزا۔ عشرت خیز محاورے اِس زمانہ میں بن کر نیارہ ہوجاتے ہیں بعد ازاں ادھیڑپن کا زمانہ آتا ہے۔ اس میں علم صرف۔ علم نحو۔ علم بیان۔ علم کلام۔ علم منطق یہ تمام سلامت روی اور متانت کے بھرے ہوئے علوم پڑھانے کی آسانی کے واسطے ایجاد ہوجاتے ہیں علم زبان کے متعلق جس قدر اصول اور قاعدے ہیں وہ سب اسی زمانے میں مدوّن ہوتے ہیں۔ اب پیری یعنی آرام کرنے کا زمانہ آتا ہے اس میں زبان کو پُورے پُورے لفظوں کا ادا کرنا بھی دوبھر معلوم ہوتا ہے کجا کہ سخت اور کرخت الفاظ کو زبان سے نکالنا تشبیہات تمثیلات۔ استعارات۔ کنایات کے تیر تکوں پر گزارہ آرہتا ہے جس قدر مکروہ ثقیل دُور از فہم۔ بھاری اور موٹے موٹے الفاظ ہوتے ہیں۔ وہ سب گھُل گھُل کر سلیس۔ فصیح۔ پُر اثر درد کے پُتلے۔ محبت کی پوٹ۔ نہایت نرم اور میٹھے میٹھے الفاظ ہوجاتے ہیں۔ جو باتیں مجمول فقروں اور عبارتوں میں ادا ہوتی تھیں۔ وہ اب مختصر لفظوں حرفوں بلکہ صرف اشاروں

میں کھے ہونے لگتی ہیں - اوّل با آخر نسبتے دارد کا مضمون صادق آجاتا اور ہوالاول ہوالآخر کا سماں بندھ جاتا ہے یعنی جیسی سیدھی اور بھولی بھالی بچپن کے زمانہ کی زبان تھی اب پھر ویسی ہی ہو جاتی ہے البتہ اتنا ضرور ہے کہ اُس زمانے میں کسی قاعدہ اور اصول کی پابندی نہیں تھی - اب وہ آزادی جاکر با قاعدہ با اصول بلیغ و فصیح زبان بن جاتی ہے جب یہ زمانہ پورا ہو جائے گا اور اس زمانے کے بولنے والے اسے معدوم کرکے کوئی اور زبان حسب حال یا بمقتضائے وقت زمانہ کی موجودہ رفتار دیکھکر خواہ بہ لحاظِ علوم و فنون خواہ بپاسِ بادشاہ وقت اختیار کرلینگے تو پھر اسی طرح وہ زبان بھی ترقی و تنزل کا درجہ حاصل کرکے زبان و دہان سے روپوش ہو جائے گی یعنی پُرانی کتابوں کے سوا کہیں اُس کا پتہ نہیں ملے گا اور اسی طرح ہمیشہ یہ رہٹ جاری رہے گا جب کوئی زبان فنا یا معدومیت کا درجہ حاصل کرتی ہے تو وہ اپنی بہت سی نشانیاں اپنی قائم مقام زبان کو دے کر جایا کرتی ہے جس کے سبب سے اُس زبان کا نام قائم رہتا ہے۔

فی زماننا جن جن زبانوں کے سرپرست اُٹھ گئے اور جو زبانیں اب درباری زبانیں نہیں رہی ہیں وہ مُردہ زبانیں کہلانے لگی ہیں - خاص کر جس زبان کے بولنے کا رواج جاتا رہا وہ تو علوم و فنون کا خزانہ ہونے پر بھی مُردہ خیال کی جاتی ہے سنسکرت جیسی مکمّل ملبسوط اور وسیع زبان کا رواج نہ رہنے سے ہندوستان کے قدیمی علوم کو جس قدر نقصان پہنچا ہے وہ نہایت ہی حسرت اور افسوس سے دیکھنے کے قابل ہے جس زبان نے ہزاروں لاکھوں برس لیں تکمیل پائی ہو - افسوس ہے کہ وہ یوں لاوارث خزانوں کی طرح گُم ہو جائے عربی زبان گو بولی جاتی ہے مگر درباری زبان نہ رہنے سے وہ بھی معرض زوال میں ہے اس کی روک تھام صرف مذہب اسلام کی مُتبرک زبان ہونے کے سبب سے ہے اگر کلامِ الٰہی اس مقدّس زبان میں نہ ہوتا اور رسولِ عربی روحی فداک اس فصاحت کی بھری ہوئی زبان میں متکلم نہ ہوتے تو یہ زبان بھی علوم و فنون کا مخزن ہونے کے باوجود کبھی کی رُخصت ہوگئی ہوتی ہاں اہلِ عرب

اس کا بولنا نہ چھوڑتے - مگر کچھ سے کچھ ضرور کر لیتے چنانچہ اب بھی کتابی اور بول چال زبان میں بہت بڑا فرق ہو گیا ہے -

آج کل انگریزی ـ جرمنی ـ فرانسیسی ـ ترکی ـ ایرانی ـ چینی ـ جاپانی ـ روسی وغیرہ زبانوں کا ستارہ شاہی زبان ہونے کے باعث عروج پر ہے کیونکہ ان زبانوں کے سرپرست موجود اور ہر طرح سے ان میں علمی خزانے بھر رہے ہیں - ہماری اردو زبان ابھی تک ابتدائی حالت میں ہے - گو سرکار انگلشیہ کی توجہ سے کچھ ترقی کر گئی ہے لیکن یہ ترقی چند روزہ ہے اس لئے کہ عدالت کی زبان اب انگریزی ہوتی جاتی ہے تمام دفاتر اس میں ہو گئے اور ہو رہے ہیں - غرض علمی اور شاہی زبان ہمارے ہندوستان کے واسطے یہی قرار پانے والی ہے ہندوستانی زبان صرف دیسی زبان ہونے کے لحاظ سے اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے ہے گویا یہ زبان اب اپنے صرف ہندوستانیوں کی حمایت پر ترقی کر سکتی ہے ورنہ اس کا بھی عنقریب زوال شروع ہو جائے گا - اور وہی مثل صادق آئے گی ؎ ہیں تو موت ہی آئے شباب کے بدلے فقط

سید احمد دہلوی

۱۹ جون ۱۸۹۵ء بمقام شملہ

مصنف کی دیگر تصنیفات

لغات النساء ۔۔۔ ۳ روپے ۸ آنے

انشاء ہادی النساء ۔۔۔ ۱۲ آنے

محاکمہ مرکز اردو ۔۔۔ ۴ آنے

تسخیر شوہر ۔۔۔ ۸ آنے

مضامین فرحت حصہ اول۔ مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب ۔ دو روپے

ملنے کا پتہ ۔ دفتر فرہنگ آصفیہ گلی شاہ تارا اجمیری دروازہ دہلی

یا

کتابستان باغ مرلیدھر۔ حیدرآباد دکن